ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

پیرس حملے

اس میں کیا شبہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ غیر انسانی کام تھا اور اس کو ہر وہ شخص ناپسند کرے گا جس کے پہلو میں دھڑکتا ہوا دل ہے، جو انسانیت کا درد رکھتا ہے، اور اس کے لیے سوچتا ہے، ناحق کسی کو مار ڈالنا قرآن کی زبان میں پوری انسانیت کا قتل ہے، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ کس نے کیا اور کیوں کیا؟ اس کے اسباب کیا تھے؟ یہ واقعہ کوئی نیا نہیں ہے، اس طرح کے واقعات پیش آتے رہے ہیں اور ہمیشہ ایسے واقعات کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کرنے کے بجائے سطحی انداز سے اس کو تاریخ کا ایک حصہ بنا دیا جاتا ہے اور یہ کوشش کبھی نہیں کی جاتی کہ اس کی تہ تک پہنچ کر اس کے وہ منافذ بند کئے جائیں جہاں سے ایسے حادثات پیش آتے ہیں، یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ پانی کہاں مر رہا ہے؟ بار بار کی لیپا پوتی سے بات بننے والی نہیں ہے............

ـــــــــــــــــ اداریہ

DEC 15

₹10/-

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

امت مسلمہ کے لیے سب سے بڑا خطرہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

مسلم عوام کو اس بات کی طرف دعوت دینے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے زمانہ کو سمجھیں، زمانہ کے مشکلات و مسائل اس میں جاری و ساری رجحانات، تحریکوں، اسلام کے بارے میں ان کے رویہ زندگی پر مرتب ہونے والے ان کے اثرات، دین کے مستقبل کے لیے ان سے لاحق خطرات اور نئی مسلم نسل کے ذہن پر پڑنے والے سایوں کو ذہن میں رکھنا سیکھیں، ان قیادتوں کے مطمع نظر اور ان کے اغراض و مقاصد سے ناواقف نہ رہیں، جو ملکوں پر اور سماج پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے کوشاں ہیں، جو سماج کو اپنے عقائد، اپنے افکار و نظریات اور اپنے آدرشوں کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں، جو زندگی کو نئی راہ اور نیا رخ دینا چاہتے ہیں، ان طاقتوں، رجحانات، افکار اور قیادتوں کو نظر انداز کرنا اور دینی جماعتوں کا اپنے خول میں بند رہنا خود ان تحریکوں کے لیے خطرہ بن سکتا ہے، ان تحریکوں کی دینی دعوت، ان کی سرگرمیاں اگر فرائض و واجبات، طہارت و عفت کی زندگی اور نوافل کے اہتمام تک محدود رہیں تو خطرہ اس بات کا ہے کہ کچھ مدت گذرنے کے بعد دین پر عمل اور شرعی احکام کے نفاذ کی آزادی سلب کر لی جائے اور حالات ان کے لیے اس قدر دشوار ہو جائیں جس کی تصویر کشی قرآن نے اپنے بلیغ اور معجزانہ اسلوب میں کی ہے کہ:-

﴿حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ﴾ (زمین ان پر باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہوگئی اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آگئے)

جذباتی نعروں، دعووں اور کھوکھلی شجاعت کے مظاہروں سے فریب کھانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا زبردست خطرہ ہے، خاص طور پر اس امت کے لیے اپنے عقیدہ پر اور اپنے پیغام پر قائم رہنے کے لیے اور نوع انسانی کی ہدایت اور رہنمائی کا فریضہ انجام دہی کے لیے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آسمانی شریعت اور اس کی آخری دین پر قائم رہنے کے لیے اس طرح مسلمانوں کا یہ رویہ قرن اول سے لے کر اس وقت تک کے ان کے مصلحین و مجددین، مجاہدین اور دعوت اسلامی کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے والے شہداء کی تمام کوششوں پر پانی پھیر سکتا ہے، اس سے خطرہ اس بات کا پیدا ہو گیا ہے کہ اس امت میں اور قدیم ترین اسلامی ممالک میں بھی مغربی عیسائیوں کا یہ تصور کارفرما نظر آنے لگے کہ ''دین ایک ذاتی معاملہ ہے، جو اللہ اور بندہ کے درمیان محدود ہے، قانون سازی، سیاست اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں اس کا عمل دخل نہیں''۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

پیام عرفات

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۷ دسمبر ۲۰۱۵ء شمارہ: ۱۲

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دار عرفات)
نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (جنرل سکریٹری، دار عرفات)

مجلس ادارت
بلال عبد الحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبد السبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

معاون ادارت
محمد نفیس خاں ندوی

خبر کی تصدیق ضروری ہے

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوماً بِجَهَالَةٍ فَتُصبِحُوا عَلَى مَا فَعَلتُمْ نَادِمِينَ﴾

(اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح جانچ لو کہ کہیں تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو، پھر تمہیں اپنے کیے پر پچھتاوا ہو)

(الحجرات: ٦)

ماہانہ زرتعاون: Rs.10/-

www.abulhasanalinadwi.org

سالانہ زرتعاون: Rs.100/-

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبد اللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ''پیام عرفات'' مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِ عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

E-Mail- markazulimam@gmail.com

فہرس

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ (اداریہ) ۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی

شعائر اللہ کی عظمت ۴
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

نماز–مؤمن کی معراج ۵
حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

سیرت نبوی ﷺ–قرآن کریم کے آئینہ میں ۷
بلال عبدالحی حسنی ندوی

نماز کے واجبات (دوسری قسط) ۹
مفتی راشد حسین ندوی

کامیابی کی کنجی ۱۱
عبدالسبحان ناخدا ندوی

دو مہلک بیماریاں ۱۳
محمد ارمغان بدایونی ندوی

مصافحہ کی اہمیت ۱۴
ڈاکٹر سید احمد اللہ بختیاری

اسلام سے انحراف–ایک لمحۂ فکریہ ۱۵
سعود الحسن ندوی غازی پوری

عقیدۂ آخرت ۱۶
محمد نجم الدین ندوی

داعش: کتنی حقیقت–کتنا فسانہ ۱۷
محمد نفیس خاں ندوی

مدح ذات گرامی

نتیجۂ فکر

مولانا ماہر القادریؒ

کہاں میں، کہاں مدح ذات گرامی، نہ سعدی نہ رومی نہ قدسی نہ جامی
پسینے پسینے ہوا جا رہا ہوں، کہاں یہ زباں اور کہاں نام نامی

سلام اس شہنشاہ ہر دوسرا پر، درود اس امام صف انبیاء پر
پیامی تو بے شک سبھی محترم ہیں، مگر اللہ اللہ خصوصی پیامی

فلک سے زمیں تک ہے چشم چراغاں کہ تشریف لاتے ہیں شاہ رسولاں
خوشا جلوئے ماہتاب مجسم، زہے آمد آفتاب تمام

کوئی ایسا ہادی دکھادے تو انہیں، کوئی ایسا محسن بتادے تو جانیں
کبھی دوستوں پر نظر احتسابی، کبھی دشمنوں سے بھی شیریں کلامی

اطاعت کے اقرار بھی ہر قدم پر، شفاعت کا اقرار بھی ہر نظر میں
اصولاً خطاؤں پہ تنبیہ لیکن، مزاجاً خطاکار بندوں کے حامی

یہ آنسو جو آنکھوں سے میری رواں ہیں، عطائے شہنشاہ کون ومکاں ہے
مجھے مل گیا جام صہبائے کوثر، مرے کام آئی مری تشنہ کامی

فقیروں کو کیا کام طبل وعلم سے، گداؤں کو کیا فکر جاہ وحشم کی
عباؤں، قباؤں کا میں کروں گا، عطا ہوگیا مجھ کو تاج غلامی

انہیں صدق دل سے بلا کے تو دیکھو، ندامت کے آنسو بہا کے تو دیکھو
لیے جاؤ عقبیٰ میں نام محمد، شفاعت کا ضامن ہے اسم گرامی

مدیر کے قلم سے

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

بلال عبدالحی حسنی ندوی

فرانس میں ہونے والے حالیہ بم دھماکوں نے دنیا میں ایک ہلچل مچا رکھی ہے، میڈیا کے پاس اس وقت یہ ایک ایسا موضوع ہے جو ہر خاص و عام کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اور اس پر مختلف بیانات اور وضاحتوں کا ایک ایسا سلسلہ ہے جو مستقل جاری ہے، اس کے منفی اور مثبت پہلوؤں پر غور وخوض ہو رہا ہے اور اس پر ہونے والے ردعمل پر بھی ہر طرف سے اظہار خیال کیا جا رہا ہے، اس میں کیا شبہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ غیر انسانی کام تھا اور اس کو ہر وہ شخص ناپسند کرے گا جس کے پہلو میں دھڑکتا ہوا دل ہے، جو انسانیت کا درد رکھتا ہے، اور اس کے لیے سوچتا ہے، ناحق کسی کو مار ڈالنا قرآن کی زبان میں پوری انسانیت کا قتل ہے، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ کس نے کیا اور کیوں کیا؟ اس کے اسباب کیا تھے؟ یہ واقعہ کوئی نیا نہیں ہے، اس طرح کے واقعات پیش آتے رہے ہیں اور ہمیشہ ایسے واقعات کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کرنے کے بجائے سطحی انداز سے اس کو تاریخ کا ایک حصہ بنا دیا جاتا ہے اور یہ کوشش کبھی نہیں کی جاتی کہ اس کی تہ تک پہنچ کر اس کے وہ منافذ بند کئے جائیں جہاں سے ایسے حادثات پیش آتے ہیں، یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ پانی کہاں مر رہا ہے؟ بار بار کی لیپا پوتی سے بات بننے والی نہیں ہے۔

عجیب وغریب بات یہ ہے کہ اس طرح کے واقعات جب پیش آتے ہیں، کوئی ایسی تنظیم اس کی ذمہ داری قبول کر لیتی ہے جس کا نام مسلمانوں کا ہو اور کبھی کبھی ایسی خود ساختہ تنظیمیں بنائی جاتی ہیں جن کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ان آڑ میں مسلمانوں پر وار کیا جائے، ان کا تعلق اسلام سے تو ہوتا ہی نہیں اور مسلمانوں سے بھی ان کا دور سے بھی واسطہ نہیں ہوتا، بہت سی باتیں پرنٹ میڈیا پر نہیں آپاتیں، لیکن سوشل میڈیا بڑی حد تک آزاد ہے، اس میں ہر طرح کی مثبت اور منفی باتیں آتی ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں اس کا بے جا استعمال بہت زیادہ ہے اور کسی کا سر اور کسی کا دھڑ لگا دینا ایک عام بات ہے، لیکن ہر وہ شخص جس کو کھلا ہوا ذہن ملا ہوا اور وہ غور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو ایسے منتشر اور متضاد خبروں کو دیکھ اور سن کر وہ بہت کچھ سراغ لگا سکتا ہے، اور حقیقت تک پہنچ سکتا ہے، لیکن لگتا یہ ہے کہ جو حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں وہ پہنچنا نہیں چاہتے، جو ساری باتوں کو طشت ازبام کر سکتے ہیں وہ کرنا نہیں چاہتے، اس لیے کہ اس میں سب کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں، بلکہ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایسے واقعات کی جڑیں ان لوگوں تک پہنچتی ہیں جو سب سے بڑھ کر اس پر واویلا مچاتے ہیں، ان جڑوں کو پانی بھی وہیں سے ملتا ہے، وہ اوپر سے ساری کارروائیاں کرتے ہیں اور ان مظلوموں کو نشانہ بناتے ہیں جن کا دور سے بھی ایسے واقعات سے واسطہ نہیں ہوتا، لیکن وہ کبھی بھی ان جڑوں کو کھودنا نہیں چاہتے جہاں سے ان واقعات کو غذا اور طاقت مل رہی ہے، ظاہر ہے اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ کبھی بھی یہ واقعات تھم نہیں سکتے اس لیے کہ اس کی بنیادی جو کوششیں ہونی چاہئیں وہ اختیار نہیں کی جاتیں۔

اسلام ایک عالمی مذہب ہے اس کی اخلاقی، معاشرتی تعلیمات انسانیت کی بنیاد ہیں، اور دنیا کی مشکلات کا اس میں حل موجود ہے، اس کو جتنا نمایاں کیا جائے گا اس کی حقانیت کھلتی جائے گی اور اس کی طرف کشش بڑھتی جائے گی، یہ کشش ایسی ہے کہ دنیا کو اپنی طرف کھینچتی ہے، بچہ کو ماں کی ممتا چاہیے، باپ کا پیار چاہیے، ہر شخص کو یہ محبت انسانیت اور درد اور معاشرتی توازن اور ہموار خانگی زندگی اسلام میں نظر آتی ہے، دنیا اس کی طرف آنا چاہتی ہے، لیکن دنیا کی قومیں اس کو اس کی روح سے دور رکھنا چاہتی ہیں۔

ساری دنیا کے فسادات اور حادثات کے پس منظر میں اگر غور کیا جائے تو یہی حقیقت کارفرما نظر آتی ہے، اسلام کو بدنام کرنے کے لیے اور اسلام کی صحیح تصویر مسخ کر کے پیش کرنے کے لیے یہ واقعات ہوتے نہیں بلکہ کرائے جاتے ہیں، اور اس کے لیے کرائے کے ٹٹو حاصل کئے جاتے ہیں اور کبھی کبھی یہ شاطر قومیں اپنے بڑے کاز کے لیے بڑی قربانی دینے کو بھی تیار ہو جاتی ہیں .... (باقی صفحہ نمبر ۲۰ پر)

شعائر اللہ کی عظمت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو انسانوں کی توجہ خالق حقیقی کی طرف مبذول کرانے کے لیے نازل فرمایا، قرآن مجید میں ایک دوسرے کے ساتھ کیا معاملہ اور تعلقات ہونا چاہئیں اس کو واضح کیا گیا ہے، اور اس میں سب سے اہم اور مقدم حضور ﷺ کے ساتھ جو رابطہ اور تعلق ہونا چاہیے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، حضور ﷺ اگر چہ انسان تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ نبی بھی تھے، اور نبی کی نگرانی اور اس کی سرپرستی براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، اس لیے نبی کی غلطی غلطی نہیں رہتی، اگر نبی سے جلدی میں کوئی غلط فیصلہ ہو جائے جو خاص اسی کی رائے سے ہو تو فوراً اوپر سے توجہ دلا دی جاتی ہے کہ یہ غلط ہے تم اس کو اس طرح کرو، گویا نبی کو اللہ کی پوری سرپرستی حاصل ہوتی ہے، اسی لیے نبی سے غلطی نہیں ہوتی۔

اس دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی عظمت وشان کا تصور بھی نہیں کرسکتا، وہ ذات صرف یہی نہیں کہ رب العالمین ہے، خدا ہے، پروردگار ہے، بلکہ اس کی عظمت اور جلالت شان اتنی زیادہ ہے کہ اس کو ہر خاص وعام نہیں سمجھ سکتا، کیونکہ اگر اس دنیا میں اللہ کی ذات کے ساتھ جو چیز خاص ہے اس کا ایک ذرہ بھی آجائے تو یہ عالم ہل جاتا ہے، اس کے وزن اور اس کی طاقت کا متحمل نہیں ہو پاتا، جب کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تجلی کی خواہش ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری تجلی کو یہ پہاڑ برداشت نہیں کرسکتا تو تم کیسے اس کو جھیل سکتے ہو؟ لیکن حضرت موسیٰ کے کہنے پر اللہ تعالیٰ نے جب ان کو ہلکی تجلی دکھائی تو حضرت موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے اور پہاڑ جل گیا، چنانچہ دیکھنے والوں نے بتایا ہے کہ وہ پہاڑ اب بھی جلی ہوئی حالت میں نظر آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغام براہ راست نہیں بلکہ فرشتوں کے ذریعہ بھیجتا ہے، فرشتوں کو اللہ نے نورانی مخلوق بنایا ہے، اس لیے وہ ان چیزوں کو اٹھا سکتے ہیں، لیکن فرشتے بھی اس پیغام کو پہلے نبیوں کو دیتے ہیں اور نبی انسانوں کو سناتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی ذات سے کسی بھی چیز کا تعلق ہو جائے تو وہ چیز بھی معظم ومحترم ہو جاتی ہے، اس دنیا میں چار چیزیں ایسی ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، اور ان کو "شعائر اللہ" سمجھا جاتا ہے، اسی لیے ان کی عظمت بھی بڑھی ہوئی ہے، شعیرۃ عربی میں شعار سے ہے، اور شعار اس کپڑے یا اس چیز کو کہتے ہیں جو ہر وقت انسان کے جسم سے لگی رہے، جیسے بنیائن، کرتا، پائجامہ، البتہ شیروانی یا کوٹ پہننا یا چادر اوڑھنا یہ اس سے الگ ہے، اس کو ضرورت پر استعمال کیا جاتا ہے، ہر وقت نہیں پہنا جاتا، تو جو لباس جسم سے بالکل وابستہ رہتا ہے اس کو عربی میں شعار کہا جاتا ہے، اسی طرح دین کی وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں وہ دینی شعائر میں شمار ہوتی ہیں، اسی لیے حج کی متعدد چیزوں کو شعائر کہا جاتا ہے، ہر مسلمان پر شعائر کا احترام کرنا لازمی ہوتا ہے، اس لیے کہ ان کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے، قرآن مجید میں آتا ہے ﴿وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوب﴾ (الحج:۳۲) (جو اللہ تعالیٰ کے شعائر کا احترام کرتا ہے تو یہ اس کے دل کے تقویٰ کی بات ہے) تقویٰ کے معنی احتیاط و بچاؤ کے ہیں، آدمی کا اپنے کو گناہوں اور بری باتوں سے بچانا تقویٰ ہے، ہر بری بات، اللہ تعالیٰ کی معصیت اور جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا، اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، ان سے اپنے کو بچانا تقویٰ میں شامل ہے، معلوم ہوا اصل تقویٰ یہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والی ہو اس کا دل میں احترام ہونا چاہیے۔

شعائر اللہ میں چار عظیم چیزوں کا شمار ہوتا ہے: (۱) حضور ﷺ (۲) قرآن مجید (۳) بیت اللہ شریف (۴) نماز، یہ وہ چیزیں ہیں جن کا خاص اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے، اس لیے ان کے ساتھ بہت اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، اور ان سے اپنا تعلق بہت ہی مخلصانہ اور اچھی نیت سے قائم کرنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں ایمان کی بات فرمائی ہے وہاں نماز کا ذکر بھی آیا ہے، فرمایا گیا ہے کہ شرک نہ کرو اور نماز پڑھو، نماز کو ذکر کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور فرمایا کہ مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے، گویا ایک طریقہ سے یہ بات کہہ دی گئی کہ نماز وہی چھوڑتا ہے جو کافر ہے، مسلمان نماز چھوڑ ہی نہیں سکتا.........(باقی صفحہ ۱۲ پر)

نماز مؤمنین کی معراج

مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

نماز کے اہتمام کے سلسلہ میں قرآن وحدیث میں جتنی تاکید آئی ہے اتنی تاکید کسی دوسرے عمل کے سلسلہ میں نہیں آئی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے اندر غیر معمولی کمالات رکھے ہیں کہ اگر کوئی بھی شخص نماز کی ویسی پابندی کرلے جیسا کہ اس کا حکم ہے تو اس کے اندر وہ سارے کمالات جن کا اللہ رب العزت نے وعدہ فرمایا ہے وہ خود بخود پیدا ہونا شروع ہوجائیں گے، اس لیے کہ نماز مومنین کے لیے معراج میں ملا ہوا ایک تحفہ ہے، جو صاحب نماز کو معراج عطا کرتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ چونکہ اللہ کے محبوب اور لاڈلے ہیں اللہ نے آپ کو اپنے پاس بلایا اور نماز کا تحفہ اللہ نے عطا فرمایا، اور چونکہ آپ سارے درجات پر فائز ہیں اس لیے آپ کو درجات طے کرنے کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ اللہ نے آپ کے سارے درجات طے کروا دیئے تھے، آپ کو مقام بلند عطا فرمایا تھا، لیکن آپ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے یہ آسانی عطا فرمائی ہے کہ اگر وہ بھی ان درجات پر فائز ہونا چاہتی ہے تو کچھ اعمال کرنا ہوں گے۔

اعمال کے اندر سب سے بڑی چیز اللہ کی رضا مندی ہے، جس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے، جس کو قرآن میں رضوان من اللہ أکبر کہا گیا ہے، اور ظاہر ہے جو چیز اکبر ہے وہ اکبر ہی سے مل سکتی ہے، اور اکبر کیا ہے؟ اس کا جواب خود قرآن مجید میں مذکور ہے ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ﴾ یعنی اللہ کا ذکر بڑا ہے، اور چونکہ نماز سراپا ذکر الٰہی ہے، اس لیے اس عمل سے اس کی رضا کا حصول ممکن ہے، گویا کہ ''عمل اکبر'' سے ''ذکر اکبر'' ملے گا، لہٰذا اگر ہماری نماز صحیح ہے، تو ہم اس کے ذریعہ سے ذکر والے بن جائیں گے اور پھر اللہ کی رضا والے بھی ہوجائیں گے جس سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں ہے، اسی لیے صحابہ کا جو مقام بلند ہوا، اور ان کو ''رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ'' کا پروانہ ملا، وہ اسی نماز کے اچھا ہونے کا نتیجہ تھا، اس لیے کہ نماز اپنے اندر غیر معمولی پن لیے ہوئے ہے۔

نماز کو ایک طرف تو معراج کا ذریعہ بنایا گیا ہے کہ یہ معراج المومنین ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے نماز کو چار چیزوں کا مجموعہ بنایا ہے: جسم کا، عقل کا، قلب کا، روح کا، گویا اسلام کے ارکان اربعہ میں یہ رکن جزوی طور پر دیگر ارکان اسلام کی معنویت کو بھی سموئے ہوئے ہے، اسی لیے اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ روزہ میں آدمی کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اسی طرح نماز میں بھی چھوڑ دیتا ہے، کیونکہ جتنی دیر کوئی شخص نماز پڑھے گا اتنی دیر تک کھا پی نہیں سکتا، اسی طرح آدمی حج میں اٹھتا ہے، بیٹھتا ہے، صفا ومروہ کے چکر کاٹتا ہے، تو نماز میں بھی ایک ہیئت میں نہیں رکھا گیا، بلکہ مستقل اٹھنا بیٹھنا رکھا گیا ہے، گویا کہ نماز صحت کا بھی ایک ذریعہ ہے کہ آدمی ایک جگہ پر بیٹھ نہیں سکتا، بلکہ کبھی کھڑے ہونے کا حکم ہے تو کبھی بیٹھنے کا، یہاں تک کہ جی بھی لگ رہا ہو تب بھی نہیں بیٹھ سکتے، اور اس کے ساتھ ساتھ نماز کے لیے فرمایا کہ جب نماز کے لیے آؤ تو عمدہ لباس پہن کر آؤ ﴿خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الأعراف: ۳۱) معلوم ہوا کہ معمولی لباس پہن کر مسجد میں آنا صحیح نہیں ہے بلکہ حیثیت کے مطابق جتنا اچھا ہوسکتا ہے اتنا اچھا لباس زیب تن کرکے دربار الٰہی میں حاضر ہونا چاہیے، کیونکہ نماز اہتمام کی متقاضی ہے۔

نماز کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر ہماری نماز اچھی ہوگی تو ہمارے اعمال خود اچھے ہوتے چلے جائیں گے، ہم منکرات چھوڑتے چلے جائیں گے اور اعمال صالحہ کی طرف خود بخود بڑھتے جائیں گے، اس لیے کہ اس کے اندر اللہ نے بالفعل یہ تاثیر رکھی ہے کہ اگر کوئی بندہ نماز صحیح پڑھتا ہے تو اس کا عقیدہ درست ہوجاتا ہے، کیونکہ اللہ نے کسی غیر کے آگے جھکنے کی جتنی ہیئات ہوسکتی ہیں ان سب سے محفوظ رکھنے کے لیے ان تمام چیزوں کو نماز کے اندر رکھ دیا ہے، لہٰذا غیر کے سامنے جھکنے کا مسئلہ ہی ختم ہوگیا، یعنی کسی کے سامنے ہاتھ باندھنا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا، ادب سے بیٹھے رہنا یہ نماز کے ساتھ خاص ہے جن کو بندہ جب نماز میں کرتا رہے گا تو کسی اور کے سامنے نہیں کرے گا۔

اسی لیے نماز کے بہت سے درجات ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان روح والی نماز پڑھے، دوسرا یہ کہ اس کے ساتھ جسم والی بھی ہو، تیسرا یہ کہ اسی کے ساتھ قلب والی نماز بھی ہو، چوتھا درجہ یہ ہے کہ

اس سب کے ساتھ عقل والی نماز بھی ہو، اگر یہ چاروں مراتب کسی کو حاصل ہوجائیں تو اس کی نماز بہت اعلیٰ درجہ کی شمار کی جائے گی، لیکن آج کل بہت سے لوگوں کو دھوکہ ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ اگر روح والی نماز پڑھ لیں تو جسم کی نماز کی ضرورت نہیں ہے، اور عقل والی نماز پڑھ لیں تو قلب والی نماز کی ضرورت نہیں ہے، یا قلب والی نماز پڑھ لیں تو عقل والی نماز کی ضرورت نہیں ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ نماز ان چاروں کے مجموعہ کا نام ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ان چاروں چیزوں کے ساتھ پڑھے گا تو اس کی غیر معمولی ترقی ہوگی، لیکن آج کل عموماً ہم لوگ صرف جسمانی نماز پڑھتے ہیں وہ بھی صحیح طریقہ پر نہیں پڑھتے، اس لیے کہ جسمانی نماز میں بھی اس کا اہتمام ضروری ہے کہ سر سے لے کر پیر تک ہمارا کھڑا ہونا صحیح ہو، رکوع وسجدہ میں ہماری نگاہیں صحیح ہوں، یہ معلوم ہو کہ ناک کہاں رکھی جائے گی، انگلیاں کیسے رکھی جائیں گی، ہاتھ کیسے رکھے جائیں گے، جب یہ ساری چیزیں درست ہوجائیں گی تو جسمانی نماز صحیح ہوگی۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا: اگر کوئی شخص جسمانی نماز ہی پڑھتا ہے تو خدارا اسی نماز کو وہ کسی درجہ میں صحیح طریقہ سے ادا کرنے والا بن جائے، تاکہ کسی نہ کسی دن اس نماز کا مزا بھی حاصل ہوسکے، اسی طرح حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ شیخ شرف الدین یحی منیریؒ کے مکتوبات سے ایک بات نقل فرمایا کرتے تھے کہ ایک بادشاہ نے اپنے چمن میں ہر طرح کے پیڑ پودے لگائے اور جب وہ رخصت ہونے لگا تو اپنے بیٹے کو بلایا اور کہا: یہ سارے پیڑ پودے جو لگے ہوئے ہیں یہ سب جب تمہاری زیر نگرانی آئیں تو ان کو باقی رکھنا یا نہ رکھنا، یہ تمہاری مرضی ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ فلاں گھاس چاہے کتنی ہی خوشک ہوجائے اس کو باقی ہی رکھنا ہے، اکھاڑنا نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر اس کی لکڑی ہی باقی رہ جائے تب بھی اس کو نکال کر مت پھینکنا، لیکن لڑکا جدید تعلیم پڑھا ہوا تھا لہٰذا اس نے کہا کہ اب تو بہت ترقی ہوگئی ہے اور عمدہ عمدہ پودے آگئے ہیں جس سے پورا چمن مہکتا ہے اور یہ گھاس بلاوجہ بیچ میں سوکھی ہوئی ہے اس کو بھی نکال کے پھینک دینا چاہیے، چنانچہ اس نے اس گھاس کو پھینک دیا، لیکن جیسے ہی گھاس کو پھینکا تو فوراً اندر زمین سے کالا سانپ نکلا اور اس کو کاٹ لیا، جس کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اگر یہ سوکھی گھاس بھی یہاں باقی رہتی تو اس کی تاثیر یہ تھی کہ اس جگہ پر سانپ نہیں آسکتا تھا، لہٰذا شیخ منیریؒ نے اس واقعہ کے ضمن میں فرمایا: نماز کا بھی یہی معاملہ ہے کہ ہر حال میں پڑھتے رہنا چاہیے، ورنہ معاملہ بگڑ جائے گا، لیکن اگر اس جسمانی نماز کے ساتھ کوئی شخص روحانی اور عارفانہ نماز چاہتا ہے تو اس کی مثال حضرت مولانا نے یہ دی ہے کہ جس طرح پانی کے اندر مچھلی ہوتی ہے جس کو بغیر پانی کے چین نہیں آتا، ایسے ہی انسان کا دل مسجد میں لگا رہنا چاہیے، تاکہ قلبی نماز کا مزا بھی حاصل ہوسکے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص جسمانی اور قلبی نماز کے ساتھ عقلی نماز بھی پڑھنا چاہتا ہے، تو عقلی نماز کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا ہے ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ (النساء:۴۳) یعنی نماز کے قریب مت جاؤ جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو، یہاں تک کہ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ تم کیا کہہ رہے ہو، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں جو کچھ پڑھا جائے اس کو سمجھ کر پڑھنا چاہیے، کیونکہ مسلمان بے عقل نہیں ہوتا ہے، لہٰذا ہم جب نماز ہم پڑھ رہے ہیں تو نماز میں بھی ہم کو سوچ سمجھ کر پڑھنا چاہیے، کیونکہ ہم اس وقت خدا کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں، اس لیے اس وقت یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ ہم اس سے کیا درخواست کررہے ہیں، لیکن اگر اس کے معانی ہی نہ معلوم ہوں جو ہم اس سے مانگ رہے ہیں کہ رکوع میں کیا کہا، سجدہ میں کیا کہا، تو نماز عقل والی نہیں رہے گی، کیونکہ ہم نے یہی نہیں سمجھا کہ ہم اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر کیا کہہ رہے ہیں۔

اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ "أن تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك" یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے اس کو دیکھ رہے ہو ورنہ یہ تو طے ہی ہے کہ اللہ تم کو دیکھ رہا ہے، اور اگر یہ استحضار ہوجائے کہ اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے تو آدمی زیادہ چوکنا ہوتا ہے، جیسا کہ کسی نابینا شخص کو بہت بڑے بادشاہ یا افسر کے سامنے لایا جائے اور کان میں کہہ دیا جائے کہ آپ کے سامنے بادشاہ بیٹھا ہے، تو اس کی حالت زیادہ خراب ہوجائے گی، کیونکہ وہ دیکھ نہیں پا رہا ہے، بلکہ اس کے جسم پر ایسی کیفیت ہوگی کہ اس کو لوگ تسلی دلائیں گے، لیکن اسی کے بالمقابل اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تم کو دیکھ رہا ہے تو یہ زیادہ بلند بات ہے، اسی لیے اگر یہ کیفیت ہم پر طاری ہوجائے تو نماز کا مزا آجائے۔

سیرت نبوی ﷺ قرآن کریم کے آئینہ میں

گزشتہ سے پیوستہ

بلال عبدالحی حسنی ندوی

اسوۂ حسنہ

قرآن مجید میں جا بجا اتباع رسول ﷺ کا حکم دیا گیا ہے، اتباع کے باب میں یہ بات خاص اہمیت کی حامل ہے کہ جس کی اتباع کرنی ہے وہ اپنی زندگی میں ایک ایسا نمونہ رکھتا ہو جو ہر ایک کے لیے کشش کا باعث ہو، جس کو دیکھ کر اپنی زندگی کے نشیب وفراز سمجھ میں آئیں، جس کی روشنی تاریکیوں کو دور کردے اور راستہ روشن کردے، جو ایسی کامل اور مکمل انسانی زندگی کا راہبر ہو جس کی رہنمائی میں سخت گھاٹیاں بھی طے ہوسکیں، خلاّق عالم ساری انسانیت کو خطاب کر کے فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب: ۲۱) (یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں بہترین نمونہ موجود ہے)۔

کمال سے اعتدال پیدا ہوتا ہے، اور اعتدال کمال کی نشانی ہے، اور حسن کمال کا نتیجہ ہے، "اسوۂ حسنہ" حسنہ جب ہی ہوتا ہے، جب وہ کامل ومکمل ہو، اللہ کے آخری رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سابقین کے حسن کا مجموعہ بنایا۔

حسن یوسف، دم عیسی، ید بیضاء داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تمام انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی قوموں کے لیے نمونہ بنایا، لیکن خاتم النبیین ﷺ کو تمام لوگوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے نمونہ قرار دیا، اور آپ ﷺ کی ذات والاصفات کو ہر طرح کے حسن ظاہر و باطن کا ایسا مظہر اتم قرار دیا کہ اس جیسا نہ پہلے ہوا، نہ ہے، نہ ہوگا۔

کوئی کسی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو وہ امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم، خاص ہو یا عام، وہ کسی کا باپ ہو یا کسی کا شوہر، وہ کسی کا بھائی ہو یا عزیز، چھوٹا ہو یا بڑا، غرض جو بھی ہو اس کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک زندگی میں نمونہ موجود ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نہایت بلیغ اسلوب میں رقم طراز ہیں:

"اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر وحنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درس گاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی وبے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار ومددگار نبی ﷺ کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم ونسق کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم ونسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبداللہ وآمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کررہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ وگدا اور امیر وغریب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ اور عائشہ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسن وحسین کے نانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لیے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی واصلاح کے لیے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا چراغ اور راہنمائی کا نور محمد رسول اللہ ﷺ کی جامعیت کبری کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے"۔ (ماخوذ از: خطبات مدراس، ص: ۸۵-۸۶)

مدینہ منورہ کے وہ دن جب قومیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں، سخت

سردی کا زمانہ، عسرت کا دور، خندق کھودی جارہی ہے، فاقہ کشی کا عالم ہے، لوگ پیٹ پر پتھر باندھنے پر مجبور ہیں، ایک اللہ کا بندہ اللہ کے رسول ﷺ سے اپنا یہ حال عرض کرتا ہے تو آپ ﷺ اپنا پیٹ کھول کر دکھاتے ہیں کہ اس میں دو دو پتھر بندھے ہیں، ایک صحابی خندق کھودنے میں مصروف ہیں، مضبوط چٹان حائل ہوجاتی ہے، آنحضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں، آپ ﷺ اسی حال میں تشریف لے جاتے ہیں اور ایک ہی وار میں وہ چٹان تودہ خاک ہوجاتی ہے، اور اس سخت عسرت کے وقت ان کی مبارک زبان سے نکلتا ہے کہ مجھے کسریٰ وقیصر کے محلات دیئے گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، آپ کا نمونہ ان حضرات کے سامنے ہے، سخت سے سخت حالات میں بھی ان کے پاؤں میں لغزش نہیں ہوتی، اور یہ آیت شریفہ اترتی ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

وہ سب کے سب اللہ سے ملاقات کے مشتاق اور آخرت کے دن کا یقین رکھنے والے ہیں، اللہ کے یہاں بے حساب نعمتوں کے لیے، ہر طرح کی قربانی کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں، وہ ایمان رکھتے ہیں کہ وہاں کی کامیابی صرف اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے میں ہے، اس کو اپنی زندگی میں لانے کے لیے وہ سب کچھ نچھاور کرسکتے ہیں۔

یہ اسوۂ حسنہ زندگی کے تمام لمحات کے لیے ہے، وہ خوشی کے لمحات ہوں یا غم کے، راحت وآرام کے دن ہوں یا مشقت وعسرت کے، دوستوں کے ساتھ برتاؤ ہو یا دشمنوں کے ساتھ، عزیزوں کے ساتھ ہو یا غیروں کے ساتھ، آنحضور ﷺ کی مبارک زندگی میں ہر حال میں نمونہ ہے، اور ہر ایک کے لیے ہے۔

مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ دشواریوں سے بھری زندگی ہے، آنحضور ﷺ دعوت پیش کرتے ہیں، تو آپ ﷺ کو گالیاں دی جاتی ہیں، طائف کے بازار میں آپ ﷺ کے تن مبارک کو زخمی کیا جارہا ہے، آپ ﷺ کو شہید کرنے کی سازشیں رچی جارہی ہیں، مگر اس رحمت کا عالم کا اسوۂ حسنہ کیا ہے، صحابہ اس کا نمونہ ہیں، ان میں کمزور بھی ہیں اور طاقتور بھی، ان میں بدلہ لینے کی صلاحیت رکھنے والے بھی ہیں، مگر اسوۂ حسنہ ان کے سامنے ہے، سب کچھ سنتے ہیں سہتے ہیں، اور حضور ﷺ کے طریقہ سے انحراف نہیں کرتے۔

بدر کا میدان ہے، دشمنوں کا لشکر جرار ہے، تین سو تیرہ بغیر کسی تیاری کے آپ کے ساتھ ہیں، آپ کے چشم وابرو کے منتظر ہیں، اور اس سے بڑھ کر مثال کیا ہوگی کہ حدیبیہ میں صلح ہورہی ہے، آپ کے متوالے آپ کے سامنے ہیں، بیت اللہ کے شوق میں نکلے ہیں، مگر حکم نبوی کے آگے سرخم ہیں، آپ نے احرام اتارا، سر مبارک میں حلق کروایا، آپ کا اسوہ ہی نجات کا ضامن ہے، اتنی تیزی سے سر منڈوائے جانے لگے کہ لگتا ہے کہیں جلدی میں سر کٹ نہ جائے، اس وقت موقع تھا ان کی طرف سے اجازت ہوتی تو مکہ والوں سے دو دو ہاتھ کرنا کیا مشکل تھا، مگر آپ ﷺ کے فیصلہ کے آگے پھر کس چیز کی گنجائش ہے۔

غرض یہ کہ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ صحابہ نے جس ایمان ویقین کے ساتھ اختیار کیا، وہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ کی عملی تفسیر بھی ہے، اور قیامت تک آنے والوں کے لیے ایک حسین تعبیر بھی، جو بھی اس کو دیکھے گا اس کو پڑھے گا وہ آگے بڑھے گا، اور بڑھتا ہی چلا جائے گا۔

یہ ایک عملی دعوت بھی ہے، ایک طرف قرآن ہے دوسری طرف آپ کی حسین زندگی ہے، جو قرآن کا مرقع ہے، قرآن مجید کے پڑھنے والے کفر وشرک کی دنیا میں کتنے ہیں، مگر آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا عکس دِکھنے والے ہزاروں ہیں، جو بھی اس سانچہ میں ڈھل جائے اور اسوۂ حسنہ کی تفسیر بن جائے وہ اللہ کے یہاں بھی مقبول ہے، اور اس کی زندگی عالم انسانیت کے لیے چلتی پھرتی دعوت ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيراً﴾ (الأحزاب: ۲۱) کی ندا صحابہ نے بھی سنی اور دل میں بسالی، زندگی اس کے مطابق بنائی، اور رہتی دنیا تک کے لیے ایک نمونہ زندگی چھوڑ گئے۔

یہ ندا قیامت تک آتی رہے گی جس کو بھی اللہ سے ملاقات کا اور آخرت کے دن کا یقین ہو اور وہ اللہ کا خوب ذکر کرتا ہو، اس کا دھیان رکھتا ہو، وہ اس ندا پر لبیک کہے، اور اپنے ہر طرز نبوی کو اس نبوی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے، جو ہر انسان کے لیے انسان کامل کا ایک ایسا مکمل نمونہ ہے جو نہ کوئی پیش کرسکا ہے اور نہ قیامت تک پیش کرسکے گا۔

نماز کے واجبات

قسط نمبر ۲

مفتی راشد حسین ندوی

گزشتہ ماہ شمارہ میں آٹھ واجبات کا ذکر کیا گیا تھا (۱) تکبیر تحریمہ میں ''اللہ اکبر'' کہنا (۲) سورۂ فاتحہ پڑھنا (۳) اس کے ساتھ سورہ ملانا (۴) فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قرات کرنا (۵) سورۂ فاتحہ کو پہلے پڑھنا (۶) اس کی تکرار نہ کرنا (۷) جہری نمازوں میں جہر کرنا (۸) سری نمازوں میں آہستہ پڑھنا، ان واجبات سے متعلق ضروری تفصیلات بھی عرض کرنے کی کوشش کی گئی تھی، بقیہ واجبات اس شمارہ میں پیش خدمت ہیں:

۹-قرات ورکوع نیز دونوں سجدوں کے درمیان ترتیب:

پہلے قرات کرکے اس کے بعد رکوع کرنا، اسی طرح دونوں سجدے اس طرح مسلسل کرنا کہ درمیان میں کوئی دوسرا رکن ادا نہ کرے، نماز کے واجبات میں سے ہے، چنانچہ اگر کسی رکعت میں بھولے سے صرف ایک سجدہ کیا، پھر کچھ ارکان ادا کرنے کے بعد یاد آیا تو وہ اس چھوٹے ہوئے سجدہ کی قضاء کرلے اور اخیر میں سجدہ سہو ادا کرلے تو اس کی نماز صحیح ہوجائے گی، لیکن خیال رہے کہ یہ مسئلہ صرف قرات اور رکوع اور دونوں سجدوں کے درمیان ہے، اس کے برخلاف رکوع اور سجدہ کے درمیان، قیام اور رکوع کے درمیان اسی طرح سجدہ اور قعدہ اخیر کے درمیان ترتیب فرض ہے، لہٰذا ان چیزوں میں اگر ترتیب بھول جائے، مثلاً: رکوع سے پہلے سجدہ کرلے تو حکم یہ ہے کہ یاد آنے پر رکوع کرے، پھر اس کے بعد پہلے جو کچھ پڑھ رکھا تھا اس کا اعادہ کرے اس لیے کہ وہ سب افعال شرعاً غیر معتبر ہوجاتے ہیں، پھر اخیر میں سجدہ سہو کرے۔ (شامی:۱/۳۴۰-۳۴۱)

۱۰-قومہ: پھر رکوع کے بعد قومہ کرنا یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہوجانا بھی نماز کے واجبات میں سے ہے، بھولے سے چھوٹ جائے تو سجدہ سہو سے تلافی ہوسکتی ہے، جان بوجھ کر سیدھا کھڑا نہیں ہوا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ (شامی:۱-۳۴۰)

۱۱-دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ: دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ کرنا یعنی بیٹھنا بھی نماز کے واجبات میں سے ہے۔
(شامی:۱/۳۴۰)

۱۲-تشہد کے بقدر قعدہ اولی کرنا: تین یا چار رکعات والی کسی بھی نماز کا درمیانی قعدہ بھی واجبات میں سے ہے، نماز چاہے فرض ہو چاہے واجب، سنت یا نفل۔ (شامی:۱/۳۴۳، ہندیہ:۱/۷۱)

۱۳-قعدہ اولی اور قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا: دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا نماز کے واجبات میں سے ہے، اگر پورا تشہد یا اس کا کچھ بھی حصہ بھولے سے چھوڑ دیا تو سجدہ سہو واجب ہوجائے گا۔
(شامی:۱/۳۴۴، ہندیہ:۱/۷۱)

۱۴-پہلے قعدہ میں تشہد پر اضافہ نہ کرنا: فرض، وتر اور ظہر سے پہلی والی چار رکعات سنتوں میں یہ بھی واجب ہے کہ تشہد پڑھنے کے بعد قیام کرلے، اگر ''اللھم صل علی محمد'' تک درود شریف پڑھ دیا یا اس کے بقدر خاموش بیٹھا رہا تو سجدہ سہو واجب ہوجائے گا، اس سے کم پڑھنے یا ٹھہرنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا، جہاں تک عصر اور عشاء سے پہلے پڑھی جانے والی چار رکعات یا دوسری نوافل کا تعلق ہے تو اگر ان میں تشہد کے بعد پورا درود شریف بھی پڑھ دیا تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ (شامی:۱/۳۷۷، ۵۰۰)

۱۵-نماز کو لفظ ''سلام'' سے ختم کرنا: نماز سے لفظ ''السلام'' سے نکلنا نماز کے واجبات میں سے ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ذکر کیا گیا: ''نماز کا تحریمہ تکبیر ہے، اور اس کی تحلیل (یعنی جس کے بعد آدمی نماز سے نکل جاتا ہے اور نماز کی ممنوعات جائز ہوجاتی ہیں) سلام پھیرنا ہے''۔ (الحدیث)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک طویل حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی شروعات تکبیر سے کرتے تھے (پھر اخیر میں فرماتی ہیں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیر کر نماز ختم کرتے تھے''۔ (مسلم)

فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ دونوں بار سلام پھیرنا واجب ہے اور امام جب پہلے سلام میں ''السلام'' کہہ دے تو اب اس کی اقتداء کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے، خواہ ابھی اس نے ''علیکم'' نہ کہا ہو۔

(شامی:۱/۳۴۵-۳۴۶)

۱۶- تعدیل ارکان کرنا: نماز کے ارکان یعنی رکوع سجود، اسی طرح قومہ اور جلسہ کو اطمینان اور سکون سے کرنا بھی نماز کے واجبات میں سے ہے، اس کی حد بندی کرتے ہوئے فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر رکن میں ایک بار ''سبحان ربی الاعلیٰ'' یا ''سبحان ربی العظیم'' کہنے کے بقدر پر عضو اپنی جگہ پہنچا کر ٹھہرا دیا جائے، اگر ایسا نہیں کیا، مثلاً: رکوع سے اٹھتے وقت بالکل سیدھا نہیں کھڑا ہوا کچھ جھکا جھکا ہی تھا کہ سجدہ میں چلا گیا یا سیدھا تو ہوا لیکن اتنی کم دیر ٹھہرا کہ ایک بار ''سبحان ربی الاعلیٰ'' نہیں پڑھا جا سکتا تھا، اسی طرح رکوع میں اعضاء کے استقرار سے پہلے ہی اٹھ گیا، یا سجدہ میں اعضاء کے استقرار سے پہلے اٹھ گیا، یا دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں سیدھا بیٹھے بغیر دوسرا سجدہ سجدہ کر لیا تو اس نے ایک واجب چھوڑ دیا ہے، اور وہ بھی جان بوجھ کر، لہٰذا سجدہ سہو سے بھی تلافی نہیں ہو سکتی، نماز پھر سے پڑھنی پڑے گی۔ (شامی:۱/۳۴۲)

چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ایک شخص مسجد میں داخل ہوئے درانحالیکہ آنحضرت ﷺ مسجد کے ایک کونہ میں بیٹھے ہوئے تھے پھر انہوں نے نماز پڑھی پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو سلام کیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وعلیک السلام، لوٹ جاؤ اور نماز پڑھو، اس لیے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، چنانچہ وہ لوگ گئے، اور نماز پڑھی پھر آئے اور سلام کہا، تو آپ نے فرمایا: وعلیک السلام، لوٹ جاؤ اور نماز پڑھو اس لیے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، تو اس شخص نے تیسری بار یا اس کے بعد عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے سکھا دیجئے، آپ نے فرمایا: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو مکمل طریقہ سے (پورے آداب کا خیال رکھتے ہوئے) وضو کرو، پھر قبلہ کی طرف رخ کرو، اور تکبیر (اللہ اکبر) کہو، پھر جو قرآن تمہارے ساتھ ہے اس میں سے جو ہو سکے پڑھو، پھر رکوع کرو یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ رکوع کر لو، پھر اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ کر لو، پھر اٹھو، یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ کرو، پھر اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر اپنی پوری نماز میں اسی طرح کرو۔ (بخاری ومسلم)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کی نماز کی کیفیت تفصیل سے بتائی ہے، اس میں یہ بھی ہے: ''جب آنحضرت ﷺ رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تھے تو جب تک سیدھے کھڑے نہ ہو جائیں سجدہ نہیں کرتے تھے، اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو (دوسرا) سجدہ اس وقت تک نہیں کرتے تھے جب سیدھے بیٹھ جائیں۔ (مسلم)

۱۷- وتر کی نماز میں قنوت پڑھنا: وتر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا واجب ہے۔ (ہندیہ:۱/۷۳)

لیکن واجب کسی بھی دعا کے پڑھنے سے ادا ہو جائے گا، خواہ ''ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار'' پڑھ لے یا کوئی دوسری دعا پڑھ لے، خاص طور سے '' أللهم انا نستعينك'' پڑھنا سنت ہے، واجب نہیں ہے، بعض علماء نے لکھا ہے کہ قنوت پڑھنے کے لیے تکبیر کہنا بھی واجبات میں سے ہے، لیکن صحیح قول کے مطابق یہ تکبیر واجبات میں سے نہیں ہے۔

(شامی:۱/۳۴۶)

اسی طرح بعض لوگوں نے وتر کی تیسری رکعت کے رکوع کی تکبیر کو بھی واجب لکھا ہے لیکن ان کی بات بھی صحیح نہیں ہے۔ (ایضاً)

۱۸- عیدین کی تکبیرات: عیدین کی نماز میں کل چھ تکبیرات ہیں، تین پہلی رکعت میں قرات سے پہلے اور ثناء پڑھنے کے بعد، اور تین دوسری رکعت میں قرات کے بعد، ان میں سے ہر تکبیر واجب ہے، اس کو امام کے ساتھ مقتدیوں کے لیے بھی زبان سے آہستہ آہستہ کہنا واجب ہے، اس میں بعض لوگوں سے کوتاہی ہو جاتی ہے، لہٰذا خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔ (شامی:۱/۳۴۶، ہندیہ:۱/۷۳)

۱۹- عیدین کی دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر: عیدین کی دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر بھی واجبات میں سے ہے، لہٰذا امام کو بلند آواز سے اور مقتدی کو آہستہ آواز سے کہنا چاہیے، البتہ چونکہ عیدین میں مجمع بہت ہوتا ہے اور سجدہ سہو کرنے سے لوگوں کو اشتباہ ہو سکتا ہے لہٰذا اگر یہ تکبیرات یا کوئی دوسرا واجب بھولے سے چھوٹ جائے تو سجدہ سہو ساقط ہو جاتا ہے اور اس کے بغیر نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ (شامی:۱/۳۴۶، ہندیہ:۱/۱۲۸)

کامیابی کی کنجی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

اللہ کا ہے ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ (البقرۃ: ۲۸۴) (آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے) کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہے ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ﴾ (الحج: ۱۸) (کیا آپ نے نہیں دیکھا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، سب اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں)، ہر ایک اس کے سامنے جھکا ہوا ہے، ﴿كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ﴾ (البقرۃ: ۱۱۶) (سب کے سب اسی کے سامنے جھکے ہوئے ہیں) جو لوگ اللہ کو نہیں مانتے، وہ بھی قدم قدم پر اللہ ہی کے محتاج ہیں، اللہ کے دیے ہوئے دماغ سے سوچتے ہیں، اللہ کی دی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اسی کے عطا کئے ہوئے کان سے سنتے ہیں۔

دنیا کے تمام نافرمان اور سرکش انسان یہ طے کریں کہ ہم اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی کریں گے اور دیکھنے کے لیے منہ کا استعمال کریں گے، کان سے بولا کریں گے اور آنکھوں سے سنا کریں گے، تو لاکھ سر ماریں، یہ ان کے لیے ممکن نہیں ہے، ایسے لوگ اپنے انکار کے نتیجہ میں اللہ کی ناراضگی کا شکار ہوں گے، لیکن ان کا رواں رواں یہ گواہی دینے پر مجبور ہے کہ وہ اللہ کی قدرت کے تحت ہیں اور اس کے بنائے ہوئے نظام سے ایک انچ ہٹنا بھی ان کے لیے ممکن نہیں ﴿وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا﴾ (الرعد: ۱۵) (آسمانوں اور زمین والے سب کے سب اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں چاہے خوشی ہو یا مارے باندھے)

جب سب کچھ اللہ کا ہے تو اس کا حق ہی سب سے بڑا ہے، عبادت اسی کی ہوگی، بندگی اسی کی ہوگی، غلامی اسی کی کی جائے گی، بات اسی کی مانی جائے گی، ہر کام اس کے لیے ہوگا، اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہوگا، اور اس کے دکھائے ہوئے راستہ پر ہوگا، اس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے رسول بھیجے، جو اپنے دور میں اللہ کے احکامات پہنچا کر اور انسانوں کو صحیح راستہ بتا کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

سب سے اخیر میں اللہ رب العزت نے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا اور آپ ﷺ پر انبیاء اور رسولوں کے سلسلہ کو مکمل فرما دیا، لوگ اللہ کو بھولے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے اللہ کی عبادت کا چراغ روشن کیا، لوگ بھٹکے ہوئے تھے آپ ﷺ نے اللہ تک پہنچنے کا راستہ دکھایا، لوگ جہنم میں گرنے کو بے تاب تھے آپ ﷺ نے جنت کی دلکش فضا میں لا کھڑا کیا، یہ آپ ﷺ تھے جن کے ذریعہ ہمیں دین ملا، ایمان ملا، اسلام ملا، قرآن ملا، زندگی کے پاکیزہ طریقے ملے اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ملا، اسی لیے اللہ رب العزت کے بعد کسی کا حق ہے تو وہ رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے، آپ ﷺ کے حق کو ادا کئے بغیر ناممکن ہے کہ ہم اللہ تک پہنچیں، اور اس کی رضا مندی حاصل کریں، خود اللہ رب العزت نے اس کا اعلان فرمایا ہے ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (آل عمران: ۳۱) (اے محمد ﷺ کہہ دیجئے، لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے پیچھے چلو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے سب گناہ معاف کر دے گا، اللہ تو بہت مغفرت فرمانے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے)۔

آپ ﷺ کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان رکھا جائے، آپ ﷺ سے بے انتہاء محبت رکھی جائے، آپ ﷺ کی عظمت کو دل میں بسا کر سچے جذبہ کے ساتھ آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلا جائے، آپ ﷺ کی شان میں ادنی گستاخی نہ ہو، اس سے ایمان ختم ہو جاتا ہے اور انسان اللہ کی لعنتوں کا طوق اپنی گردن میں پہن لیتا ہے، ﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (التوبۃ: ۶۱) (جو لوگ رسول ﷺ کو تکلیف پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے) ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا﴾ (الأحزاب: ۵۷) (بے شک جو لوگ اللہ

اوراس کے رسول کواذیت پہنچاتے ہیں ان کے لیے دنیااورآخرت دونوں میں اللہ کی لعنت ہے، اورایسوں کے لیے اللہ نے رسواکن عذاب بھی تیار کررکھا ہے) آپ ﷺ کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت نہیں ہوسکتی ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰه﴾ (النساء: ۸۰) (جورسول کی اطاعت کرتا ہے وہی اللہ کی اطاعت کرتا ہے)

آپ ﷺ پرایمان لانے کے بعد یہ تین بڑے بنیادی حقوق ہیں جن کو جاننا، ماننا اوران کے تقاضوں کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنا ہر مسلمان کے ذمہ لازم ہے، محبت، عظمت اور اطاعت، ان تین بنیادی ستونوں پر رسول اللہ ﷺ کے حقوق کی عمارت قائم ہے، ہم آپ ﷺ کی امت ہیں، کیا ہم رسول اللہ ﷺ کے حقوق کی ادائیگی میں سنجیدہ ہیں؟ کیا ہم نے سیرت مطہرہ کا اس جذبہ کے ساتھ مطالعہ کیا ہے؟ کیا واقعات سیرت کے ذریعہ ہمارے اندر وہی حرارت ایمانی پیدا ہوتی ہے جو مطلوب ہے؟ کیا ہمارے دلوں سے محبت رسول ﷺ کے سوتے اسی طرح پھوٹ کر نکلتے ہیں جس طرح کے سرچشمے ہمارے اسلاف کے سینوں سے رواں دواں تھے؟ عظمت رسول ﷺ کے نقوش ہمارے دلوں میں زندہ وتابندہ ہیں یا حرف نوک زبان ہی رہتے ہیں؟ دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ ہم آپ ﷺ کی امت ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں یا غفلت کا شکار ہوکر آپ ﷺ کے لیے باعث اذیت بن رہے ہیں؟ جس معصوم ومقدس ہستی سے ہم نے پیمان وفا باندھا تھا ہم اس عہدہ کو نباہ رہے ہیں!!

حق کی ادائیگی کے لیے بنیادی شرط حق شناسی ہے، ہرفرد پر یہ واجب ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حقوق کو ادا کرنے میں پوری زندگی وقف کردے، محبت الٰہی کی منزل حقوق مصطفیٰ کی راہوں سے گزر کر حاصل ہوتی ہیں۔

بقیہ: شعائر اللہ کی عظمت

......یہ اس کی شان کے خلاف بات ہے، اس لیے کہ اللہ سے اس کا خاص تعلق ہے اور نماز مومن کی معراج ہے، یعنی اللہ کے دربار میں اس کی حاضری ہے، نماز کے ذریعہ سے اللہ سے اس کا قریبی تعلق قائم ہوجاتا ہے، اس لیے نماز عظیم شعائر اللہ میں ہے۔

قرآن مجید بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اس کا براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے اس لیے یہ بھی عظیم شعائر میں داخل ہے، اسی طرح بیت اللہ شریف بھی شعائر اللہ میں ہے کیونکہ وہاں انوار الٰہی کی بارش ہوتی ہے، اور اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی جاتی ہے، اس کو بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر کہا جاتا ہے، لہٰذا اس کا بھی احترام وتعظیم اور اس سے قرب کو اپنے لیے ترقی، فلاح کا ذریعہ سمجھنا ضروری ہے، بیت اللہ کا احترام یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کا طواف کیا جائے، کیونکہ وہاں طواف نفل سے زیادہ افضل چیز ہے، اور اگر کوئی شخص طواف نہ بھی کرے تو صرف بیٹھ کر بیت اللہ شریف کو دیکھتا ہی رہے، اپنی آنکھوں کو اس سے لگاتا رہے یہ بھی اس کا احترام ہے اور اس سے انسان کی روحانی ترقی ہوتی ہے۔

حضور ﷺ کی تعظیم بھی شعائر اللہ میں ہے، کیونکہ آپ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (آل عمران: ۳۱) (اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا، اللہ تعالیٰ بہت مغفرت کرنے والا نہایت رحم والا ہے) اس آیت سے حضور ﷺ کے مقام ومرتبہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، ایک دوسری جگہ پر مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بھی فرمادیا گیا دیا ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب: ۲۱) (اللہ کے رسول میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے) حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسان کامل بنایا، جیسے کوئی ماڈل یا نمونہ ہوتا ہے اس کو دیکھ کر آدمی چیز کی حقیقت کو سمجھتا ہے، اور غور کرتا ہے کہ کس طرح اس کی نقل کی جائے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو انسان کا اعلیٰ نمونہ بنایا، انسان اگر بہتر سے بہتر انسان بننا چاہتا ہے تو وہ حضور ﷺ کی نقل کرے، آپ کے طریقہ کو اختیار کرے، آپ کی سنت پر عمل کرے، تو وہ اللہ کے یہاں محبوب ہوجائے گا، مقرب ہوجائے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخصیت کو اپنے ساتھ مخصوص کرلیا ہے۔

دو مہلک بیماریاں

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ جَابِرٍ ﷺ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلٰى أَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ. (مسلم: ۲۵۷۸)

ترجمہ:- حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ظلم سے بچو کیونکہ ظلم روز قیامت میں تاریکی در تاریکی ہوگا، اور حرص سے بھی بچو کیونکہ اسی مرض میں تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوگئے، اس نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خون بہائیں اور حرام کردہ اشیاء کو جائز سمجھیں۔

فائدہ:- مندرجہ بالا حدیث میں دو ایسی مہلک بیماریوں کی نشاندہی اور ان سے بچنے کا حکم دیا جارہا ہے جو انسانی معاشرہ کے لیے ناسور ہیں، شریعت کی اصطلاح میں ظلم کی تشریح یہ ہے کہ انسان اللہ کی متعین کردہ حدود سے تجاوز کرجائے، ارشاد ربانی ہے ﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾ (الطلاق: ۱) (اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھا تو اس نے اپنے ساتھ ظلم کیا) اللہ تعالیٰ کی حدود کا دائرہ نہایت وسیع ہے، اس میں عبادات، معاملات، معاشرت سبھی چیزیں داخل ہیں، اس لیے اگر انسان عبادت میں کوتاہی کرتا ہے تو گویا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا، اور معاملات یا طرز معاشرت کو درست نہیں رکھتا تو اس نے اپنے ساتھ دوسروں پر بھی ظلم کیا، اپنے اوپر ظلم اس طور پر کیا کہ کل روز قیامت میں دوسروں پر ظلم کرنے کے سبب اس کے تمام اچھے اعمال اکارت ہوجائیں گے، اسی لیے محض یہ اعتقاد رکھنا کہ حقوق اللہ کی کما حقہ ادائیگی کرنے سے جنت کا پروانہ حاصل ہوجائے گا کافی نہیں، جب تک کہ حقوق العباد کا پورا خیال نہ رکھا جائے، احادیث مبارکہ میں کثرت سے ''ظلم'' جیسے مذموم فعل کی شناعت اور اس کی سنگینی کا ذکر کیا گیا ہے، اہل ایمان کو بالخصوص اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے باز رہیں، اور اس کو ''تاریکی در تاریکی'' کی تعبیر سے ادا کرکے یہ بتایا گیا ہے کہ اگر معاشرہ میں اس کا وجود ہوگا تو نہ گھر کے افراد سلامت رہیں گے، نہ خاندان محفوظ رہے گا، نہ سماج ترقی کرسکے گا، نہ ہی ملک میں امن و سکون کی فضا قائم ہوسکے گی، بلکہ ایک ایسی بے چینی کی کیفیت عام ہوجائے گی جس میں زندگی بسر کرنا مشکل ہوگی۔

حدیث شریف میں دوسری مہلک بیماری ''حرص'' کی طرف نشاندہی کی گئی ہے، حرص کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا نفس لالچ کا عادی اور اس کا پرستار بن جائے، اور اپنے مفاد کے حصول میں والدین، بھائی بہن، اقرباء، پڑوسی، سماج کسی کا بھی خیال نہ کرے، خواہ اس کی راہ میں اس کو خونریزیوں، جھڑپوں اور آپسی رنجشوں سے ہی کیوں نہ گذرنا پڑے، قرآن مجید میں انسانی نفسیات کی کا ذکر کرتے ہوئے ''حرص'' کے متعلق بیان فرمایا گیا: ﴿وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ﴾ (النساء: ۱۲۸) (اور طبیعتوں میں حرص پیش پیش رہتی ہے) اسی کے ساتھ ایک دوسری جگہ پر ان لوگوں کو کامیاب بتایا گیا جو اس مرض سے محفوظ ہوں، ارشاد الٰہی ہے ﴿وَمَنْ يُوْقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الحشر: ۹) (اور جو بھی اپنے جی کی لالچ سے بچالیا گیا تو ایسے لوگ ہی کامیاب ہیں)

مندرجہ بالا حدیث میں حرص سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ اس میں مبتلا ہونے کے سبب تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں، اس تناظر میں آج کے معاشرہ پر اگر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ آج قتل وقتال، جور واستبداد اور آپسی لڑائیوں کا جو طوفان امنڈا ہوا ہے اس کے پس پشت یہی ''حرص'' اپنا کام کررہی ہے، صورت حال اس حد تک نازک ہوچکی ہے کہ والدین کو اپنی اولاد سے پیسہ کی بنیاد پر محبت ہوتی ہے، اگر ان کا کوئی لڑکا ان کے شایان شان مالی تعاون کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا تو اس سے نگاہ شفقت بھی کم ہونے لگتی ہے، اسی طرح اولاد کا حال یہ ہے کہ بڑھاپے میں اپنے ماں باپ کی خدمت اس غرض سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کی وفات کے بعد ان کی کل جائیداد کے مالک وہ ہوں اور ان کے دوسرے بھائی بہن اس سے محروم رہیں، غرض کہ حرص وہوا کا ایسا طوفان بلاخیز ہے جس سے نمٹنے کی بروقت ضرورت ہے، ورنہ حدیث شریف کا پیغام ہمارے سامنے ہے کہ ہم سے پہلی قوموں کی ہلاکت وبربادی کا سبب یہی ''حرص'' تھی۔

مصافحہ کی اہمیت

ڈاکٹر سید احمد اللہ بختیاری

جب دو مسلمان ملتے ہیں تو سب سے پہلے ایک دوسرے پر سلامتی اس طرح بھیجتے: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہنے کے بعد فوری مصافحہ کے لیے خوشی خوشی ہاتھ بڑھاتے ہیں، گویا ہم ایک دوسرے سے محبت وعقیدت رکھتے ہیں، مصافحہ کا رواج ہر مذہب و ادیان میں زمانہ قدیم سے جاری ہے، مگر اسلام ایک جامع وہمہ گیر مذہب ہونے کی وجہ سے اس کا ہر ہر پہلو اور ہر ہر گوشہ خارجی وداخلی انسانی فلاح وصلاح اور محبت ورواداری میں بھی یکتا ضرور ہے۔

پیغمبر اعظم وآخر ﷺ پر جس طرح نبوت اور رسالت ختم ہے بالکل اسی طرح اسلام کی جامعیت بھی آخری جامعیت ہے، اس پس منظر میں مصافحہ کے آداب (طریقہ وسلیقہ) جو احادیث میں وارد ہیں اور دور صحابہ سے آج تک مصافحہ کا رواج اسلامی شعائر میں شامل ہے، اس ترقی یافتہ دور میں روز مرہ معمولات میں سلام اور مصافحہ کا رواج تقریباً قصہ ماضی بن کے دکھائی دے رہا ہے، افسوس کے ساتھ حیرت اس امر کی ہے کہ سلام اور مصافحہ کے موضوع پر جس قدر زبان وقلم کا استعمال کرنا تھا اور کرنا ہے اس سے پہلو تہی پر صواب کیا جاتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سلام اور مصافحہ پر زمین (نثر ونظم) کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہیں، کیونکہ عصر حاضر میں اور بہت سے سلگتے ہوئے مسائل حل طلب ہیں، مصافحہ صحیح نہ کرنے کی طرف توجہ دی گئی تو کیا یہ بدعت کو فروغ دینا نہیں ہے؟

حضرت امام شافعیؒ بدعت کی تعریف میں یوں فرماتے ہیں جو چیز کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ یا آثار صحابہ یا اجماع امت کے خلاف ایجاد کرلی تو وہ بدعت ضالہ ہے۔ (بحوالہ مرقاۃ: ۱/۱/۲۳۱، کتاب ایمانیات)

حدیث میں مصافحہ کے دوران دونوں ہتھیلیاں پیوست ہونا ضروری ہے، ورنہ مصافحہ چہ معنی دارد، حدیث کی روشنی میں جب دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو مصافحہ کے ختم سے پہلے مغفرت کا پروانہ لکھ دیا جاتا ہے بشرطیکہ صحیح مصافحہ ہو، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بھی دو مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ دونوں کے جدا ہونے سے پہلے ہی دونوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ (ترمذی شریف)

اور ایک حدیث اس طرح ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک صاحب نے پوچھا: آپ لوگ جب آنحضرت ﷺ سے ملتے تھے تو کیا آنحضرت ﷺ آپ لوگوں سے مصافحہ کرتے تھے؟ فرمایا: میں آپ ﷺ سے جب بھی ملا آپ ﷺ نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ (ابوداؤد شریف) دو حدیثوں کے بعد اور ایک حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں وہ یہ کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی آپ ﷺ کے پاس آکر مصافحہ کرتا تو آپ ﷺ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے اس وقت تک نہیں کھینچتے جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا۔ (ترمذی شریف)

نیز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہارے سلام کا اتمام تب ہی ہوگا جب مصافحہ بھی کرو۔ (ترمذی شریف) مذکورہ احادیث سے مصافحہ کی عظمت اور فضیلت کا پتہ چلتا ہے مصافحہ کا رواج ختم ہوتے جارہا ہے، غلط سلط مصافحہ کا رواج پھیلتے دکھائی دے رہا ہے، شاید یہ سبب ہو کہ اکثر عقیدت مند اور شاگرد اپنے اساتذہ اور شیخ سے مصافحہ کرنے سے ڈرتے ہیں کہ ہم اس قابل کہاں! احادیث کی روشنی میں مصافحہ چار قسم کے ثابت ہیں، آپ کے دو ہاتھ، میرے دو ہاتھ یا آپ کے دو ہاتھ اور میرا ایک ہاتھ، یا میرے دو ہاتھ اور آپ کا ایک ہاتھ، یا آپ کا ایک ہاتھ اور میرا ایک ہاتھ

حضرت عبداللہ بن مبارک کی عظیم المرتبت شخصیت علمائے کرام اور خواص عظام میں محتاج تعارف نہیں ہے، حضرت امام بخاریؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ حماد ابن زید نے حضرت عبداللہ ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

مذکورہ حدیث پر نظر عمیق سے غور کریں تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ بغیر طریقہ سنت کے سرسری طور پر دونوں کی چند انگلیاں لگ جائیں تو مصافحہ ناقص کہلائے گا، ہم مصافحہ ناقص کریں گے تو سطور بالا کی حدیث کے مستحق کیسے ٹھہریں گے؟!

اسلام سے انحراف
ایک لمحہ فکریہ

سعود الحسن ندوی غازی پوری

اگر یہ خبر صحیح ہے تو یقینی طور پر حد درجہ افسوس ناک والمناک ہے کہ مشرق وسطی میں خانہ جنگی کے سبب لاکھوں کی تعداد میں ہجرت کرنے والوں میں کچھ ایسے کم ہمت بھی ہیں جو یورپ میں پناہ حاصل کرنے کے لیے عیسائیت اختیار کر رہے ہیں، یہ کیسے مسلمان ہیں جو عیش آخرت پر عیش دنیا کو ترجیح دے رہے ہیں، یہ تعداد خواہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہو لیکن ہے فکر تشویش کی باعث، اسپین کے بعد شاید یہ دوسرا واقعہ ہوگا کہ اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں نے جان بچانے کی خاطر عیسائیت قبول کی ہوگی، کہا جاسکتا ہے اس قبیل کی جتنی بھی آفتیں اور مصیبتیں پیہم آرہی ہیں اور آئندہ بھی آسکتی ہیں یہ سب ہماری بداعمالی، بدنصیبی اور ہمارے آپسی ٹکراؤ (خواہ عوامی سطح پر ہو یا حکومتی سطح پر) کا نتیجہ ہوسکتی ہیں۔

یورپین ممالک نے پہلے تو یہ کیا کہ مشرق وسطی میں بدامنی پھیلائی، ظالموں کو کمک پہنچائی اور صاف ستھرا کیرکٹر رکھنے والوں کو ذلیل ورسوا اور مبتلائے آلام کیا اور بدکاروں کی پشت پناہی کی، فلسطین اور عراق وشام میں، لیبیا اور مصر میں اور دیگر ملکوں میں جو جو تباہی آئی اور جانی ومالی نقصان ہوا اس کے مجرم یہی ہیں، اخباری اطلاعات سے معلوم ہو رہا ہے کہ مصیبت زدوں کی ایک بڑی تعداد یورپین ملکوں کی طرف بڑھ رہی ہے، اور یورپ ان کے استقبال کے لیے تیار ہے، لیکن جرمنی کے شہر برلن سے ایک ایسی تشویش انگیز خبر بھی آئی ہے جس نے یورپ کی ساری ہمدردی اور انسانیت نوازی کی پول کھول کر رکھ دی ہے، برلن کے ٹرنٹی چرچ میں مسلم ممالک کے مہاجروں کی لمبی قطار نظر آتی ہے، جنہیں دھڑلے کے ساتھ عیسائیت میں داخل کیا جارہا ہے، اور کتنے ہی بدبخت مسلمان ہیں جو پناہ حاصل کرنے کے لیے ایمان کی دولت سے محروم ہو رہے ہیں۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ یورپ نے دم توڑتی ہوئی عیسائیت کو نئی زندگی بخشنے کی خاطر مسلم ممالک میں ''بہار عرب'' کا شاخسانہ کھڑا کیا ہوا اور وہاں اتنی اتھل پتھل مچائی کہ لاکھوں لوگ ترک وطن کرنے پر مجبور ہوئے اور جو لٹے پٹے لوگ یورپ میں داخل ہو رہے ہیں انہیں عیسائیت میں داخل کیا جارہا ہو، بہر حال جو کچھ بھی ہو یہ خبر حد درجہ تشویش انگیز ہے اور آنکھوں کو کھولنے والی ہے، صرف مشرق وسطی کے مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ دنیا بھر میں آباد مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں پر ۱۹۴۷ء میں اسی نوعیت کی مصیبت آئی تھی، جس میں لاکھوں لوگوں نے اپنی جانیں گنوائیں تھیں اور لاکھوں نے ترک وطن کیا تھا، پاکستان کی طرف ہجرت کرنے والوں یا بہ الفاظ دیگر راہ فرار اختیار کرنے والوں کا حال یہ تھا کہ وہ ایک دم نہتے تھے، اور ان کے قاتل مسلح، لفٹیننٹ سروی لال جو ایک ایسے ہی قافلے کی نگرانی کر رہا تھا (جو پٹیالہ کی سکھ ریاست سے سرحد پار کر کے پاکستان جارہا تھا) بیان کرتا ہے کہ قریبی دیہات کے سکھ گدھوں کی طرح مسلمانوں کے قافلوں کا پیچھا کر رہے تھے، ہزاروں مسلم دوشیزاؤں کا اغوا ہوا، ان کے ماں باپ اور بھائیوں کے سامنے ان کی آبروریزی ہوئی، صرف پنجاب میں ہزاروں مسلم خواتین کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا گیا، ایک محتاط اندازے کے مطابق اس پر آشوب زمانے میں کم از کم ۳۶/ ہزار مسلم خواتین کا اغوا کیا گیا۔

جب تک حالات خراب تھے اور فسادات کا کھٹکا تھا مسلمانوں کو عقائد کی جنگ میں جھونکنے والے مفسدین بل ڈھونڈتے پھر رہے تھے، اور اب جب کہ حالات نسبتاً بہتر ہیں تو وہ نئے سرے سے حرب عقائد کے فتنے کو ہوا دے رہے ہیں، کل کی بات ہے کہ ایک مولوی صاحب نے کسی مسلمان کے جنازے میں شرکت کرنے سے اس لیے انکار کیا کہ اس کا عقیدہ (ان کی نگاہ میں) صحیح نہیں ہے، مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیے، جب خدانخواستہ آگ لگے گی اور فساد برپا ہوں گے تو یہ پھر بل تلاش کرتے نظر آئیں گے، مسلمان کیوں نہیں سمجھتے کہ امریکہ و اسرائیل سے جب سے ہمارے ملک کے تعلقات ہوئے ہیں اور اسرائیل ہمارے معاملات میں دخیل ہوا ہے اس نوع کے خدشات بڑھ گئے ہیں، تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، سب کچھ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے، ضرورت بیدار ہونے اور عمل کرنے کی ہے!

عقیدۂ آخرت

محمد نجم الدین ندوی

دنیائے فانی سے انسان کے رخصت ہونے کے بعد آخرت کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، مرنے کے بعد آخرت کی اس زندگی پر یقین ہونا اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، اس عقیدہ کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کو جس درجہ مرنے کے بعد کی اس زندگی کا استحضار ہوگا اسی درجہ گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ رہے گا، اس کا یہ عمل اس کی قلبی و دماغی اصلاح کا آسان ذریعہ ہوگا، بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ ''انسان کی عملی اصلاح کے لیے اس کی قلبی اور دماغی اصلاح مقدم ہے، اور انسان کے دل اور ارادہ پر اگر کوئی چیز حکمراں ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے''۔ موت کی یاد دہانی نفسانی خواہشات پر قابو پانے کا بہترین ذریعہ ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے ''لذتوں کو توڑنے والی چیز موت کو کثرت سے یاد رکھو''۔

دنیاوی زندگی سے اخروی زندگی کی طرف منتقل ہونے کے لیے موت کی حیثیت ایک پل کی ہے، اگر انسان کے اعمال اس دنیا میں اچھے ہوتے ہیں تو اس کے لیے ''موت'' اس کے حبیب سے ملانے کا ذریعہ ہوتی ہے، اور اگر اس کے اعمال اس لائق نہیں ہوتے تو یہی موت اس کے لیے ہمیشہ ہمیش کی ذلت و رسوائی کا سامان بھی ہوتی ہے، موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کو مفر نہیں، جب سے دنیا قائم ہوئی ہے نہ جانے کتنے قوی و توانا، انبیاء و صدیقین، علماء و صلحاء آئے مگر ایسا کوئی نہیں آیا جس کو موت کا سامنا نہ کرنا پڑے، مرنے کے بعد انسان جس مرحلہ کو طے کرتا ہے وہ برزخی زندگی کا مرحلہ ہے، جس سے ہر کسی کو گذرنا ہے، قیامت تک جتنے لوگ اس دنیا سے عالم آخرت کی طرف منتقل ہوں گے وہ سب تا قیامت عالم برزخ میں رہیں گے، عالم برزخ پر یقین رکھنا اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، قرآن مجید میں بھی اس مرحلہ کا تذکرہ کیا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے ﴿وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ (المومنون: ۱۰۰) (اور ان کے پیچھے ایک پردہ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے)

مرنے کے بعد برزخی اور اخروی زندگی کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ انسان کے اعمال کی جزا و سزا کا مرحلہ بھی اس کو سپرد قبر کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے، قبر کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کو مٹی کے اندر دفن کیا جائے تبھی اس کی جزا و سزا کا سلسلہ شروع ہوگا، بلکہ اگر کوئی مرنے کے بعد جلا دیا جائے، اس کی راکھ کو سمندروں میں بہا دیا جائے، وہ کسی جانور کا لقمہ تر بن جائے، یا کسی حادثہ کے سبب اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہوا میں بکھر جائیں، ان تمام صورتوں میں اس کے متعلق یہی یقین رکھا جائے گا کہ وہ اپنے اعتبار سے اپنی قبر میں ہے اور قیامت کے دن اس کو وہیں سے اٹھا کر کھڑا کیا جائے گا، ارشاد الٰہی ہے ﴿وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ﴾ (الحج: ۷) (اور اللہ ان سب کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں) اس کے ساتھ ساتھ یہ ماننا بھی ضروری ہوگا کہ قیامت کا مرحلہ آنے سے پہلے عالم برزخ جو کہ درمیانی مرحلہ ہے اس میں ہر مرنے والا جزا و سزا کا مستحق ہوتا ہے، قرآن مجید میں عالم برزخ کے عذاب سے متعلق اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ﴿وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ، النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (الغافر: ۴۵-۴۶) (اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب ٹوٹ پڑا، وہ آگ ہے جس پر صبح اور شام ان کو تپایا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (کہا جائے گا کہ) فرعون کے لوگوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کردو)

موجودہ دور میں فحاشی و نفس پرستی کی فضا عام ہونے کے سبب ایک بڑا طبقہ اس فکر کا بھی حامل پایا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں سوال و جواب اور جزا و سزا کی کوئی حقیقت نہیں، جب کہ مختلف آیات صحیح احادیث اس کے ثبوت میں بکثرت وارد ہوئی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص سے اولاً توحید و رسالت اور اس کے دین کے متعلق سوال کیا جاتا ہے، اگر بندہ ان سوالات کے جوابات دے دیتا ہے تو انعامات خداوندی کا مستحق ہوتا ہے، ورنہ ہمیشہ ہمیش کی سزا کا مستحق قرار پاتا ہے، لیکن ان صریح آیات و روایات کے بعد بھی اگر کوئی شخص آخرت کے اس صاف ستھرے عقیدہ کا انکار کرتا ہے تو اس کے لیے بڑے ڈرنے کا مقام ہے کہ وہ اسلام کے تین بنیادی عقائد میں سے ایک ایسے اہم عقیدہ کا انکاری ہے جس کی اسلامی تعلیمات میں بنیادی حیثیت ہے۔

داعش

کتنی حقیقت - کتنا فسانہ؟

محمد نفیس خاں ندوی

داعش (الدولة الاسلامية في العراق والشام) کو ISIS (Islamic State of Iraq & Syria) بھی کہتے ہیں، یعنی ایک ایسی جنگجو جماعت جو عراق وشام میں اسلامی حکومت کے قیام کے عنوان سے سرگرم ہوئی، لیکن جب سے اس نے اپنا دائرۂ کار عراق وشام سے ماوراء کردیا تو اسے صرف ''دولت اسلامیہ'' یعنی IS (Islamic State) کہا جانے لگا۔

داعش بنیادی طور پر اینٹی شیعہ اور اینٹی صوفی ازم تنظیم ہے، اس کا پہلا تعارف تو ''القاعدہ آف عراق'' کے نام سے ہوتا ہے، یہ گروہ 2006 میں امریکہ کے خلاف برسرپیکار ہوا جس کے سربراہ ابو مصعب الزرقاوی تھے، جو امریکی فضائی حملے میں مارے گئے، زرقاوی کے بعد القاعدہ آف عراق کا نام ختم ہوگیا، اور یہ تنظیم ''الدولة الاسلامية في العراق'' کے نام سے متعارف ہوئی جس کی باگ ڈور ابو عمر البغدادی کے ہاتھوں میں رہی۔ 2010ء میں ابو عمر البغدادی کی شہادت کے بعد ابوبکر البغدادی کو امیر منتخب کرلیا گیا۔

اس تنظیم میں صدام حسین کی بعث پارٹی کے وہ ممبران تیزی سے شریک ہوئے جو امریکی قبضہ کے بعد حراست میں لیے جانے سے بچ رہے تھے اور روپوش ہوگئے تھے، عراق میں انتخابات کے بعد جو حکومت قائم ہوئی وہ نہایت کمزور تھی، جس کا فائدہ اٹھا کر صدام کے حامیوں نے دوبارہ اپنی طاقت مجتمع کرلی، اور اپنے دور اقتدار کو واپس حاصل کرنے کے لیے ابوبکر البغدادی کے ساتھ شامل ہوگئے۔

عراق کی کمزور حکومت اور شام کی خانہ جنگی کی وجہ سے اس تنظیم کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملا اور جلد ہی اس نے عراق کے مختلف علاقوں پر چڑھائی شروع کردی اور جغرافیائی اعتبار سے سنیوں کے سب بڑے صوبہ الانبار اور پھر دیرالزور کے علاقہ پر قبضہ کرلیا جہاں آئل ریفائنریز ہیں، اس کے علاوہ عراق وشام کی سرحدوں کے دونوں جانب بڑے حصے بھی اس کے زیر تسلط آتے گئے۔

2012ء میں شام میں خانہ جنگی کی صورتحال پیدا ہوئی اور بشار کی فوج نے قتل عام شروع کردیا تو مختلف جہادی تنظیموں کے ساتھ القاعدہ نے بھی ''جبهة النصرة'' نامی ایک جماعت کے قیام کا اعلان کیا اور محمد الجولانی کو اس کا امیر منتخب کیا، اس تنظیم سے شام میں دیگر جہادی تنظیموں کو تقویت حاصل ہوئی، ابوبکر البغدادی نے بھی محمد الجولانی کے ساتھ مل کر شام کی سول وار میں حصہ لیا لیکن ابوبکر البغدادی کی تشدد پسند کارروائیوں اور سبھی جہادی تنظیموں پر اپنی امارت تھوپنے کی کوشش کی وجہ سے جلد ہی دونوں میں سخت اختلافات رونما ہوئے، اور نوبت باہمی جنگوں تک پہنچی، القاعدہ کے امیر ایمن الظواہری نے دونوں میں صلح صفائی کی کوششیں بھی کیں لیکن نتیجہ دونوں کی علیحدگی کی صورت میں ظاہر ہوا، جولانی کو ایمن الظواہری کی حمایت حاصل رہی، اور ابوبکر نے جولانی اور ان کے حلیف دیگر جہادی تنظیموں کے خلاف محاذ قائم کرلیا، مسلم جماعتوں کے آپسی اختلافات سے بشار الاسد کی فوج کو سنبھلنے اور تازہ دم ہونے کا موقع مل گیا۔

2014ء میں ابوبکر البغدادی نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز شام کے بجائے عراق کو بنایا، اور تیرہ سو افراد کی فوج کی صورت میں نئی گاڑیوں اور راکٹ لانچرز کے ساتھ موصل پر حملہ بول دیا، وہاں تقریباً تیس ہزار عراقی فوجی موجود تھے لیکن اس حملہ سے وہ سنبھل نہ سکے، اور کسی مقابلہ کے بغیر انھوں نے پسپائی اختیار کرلی پھر آسانی کے ساتھ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے موصل جیسا اہم ترین علاقہ البغدادی کے قبضہ میں آگیا جس سے عراقی حکومت دہل کر رہ گئی۔

موصل پر قبضہ نہایت غیر معمولی واقعہ تھا، عالمی میڈیا نے اسے خاصی اہمیت دی، مبصرین حیران ہوئے کہ ایک جنگجو جماعت نے مختصر سے عرصہ میں اتنی بڑی سیاسی کامیابی کیسے حاصل کرلی، اس سے قبل نہ کسی انتہا پسند تنظیم کو ایسی شاندار کامیابی ملی تھی اور نہ ہی کوئی تنظیم اس قدر منظم ہوسکی تھی۔

اس کامیابی کے بعد البغدادی نے اپنے زیر اقتدار علاقوں میں خلافت کا اعلان کردیا، اور خود کو "خلیفة المسلمین" کی حیثیت سے پیش کیا۔ اور "الدولة الاسلامية فی العراق والشام" یعنی داعش کے نام سے ان کی تنظیم پوری دنیا کی توجہ کا مرکز بن گئی۔

داعش کو مختلف جماعتوں کی حمایت بھی حاصل ہے جس میں خاص کر جیش الرجال الطریقة النقشبندیة جیسی اہم تنظیم جس کے سربراہ عزت الدوری ہیں جو صدام حسین کے نائب کے طور پر جانے جاتے تھے۔ داعش میں افغانی، چینی، ترک، ازبک اور دنیا بھر کے مختلف افراد شامل ہیں، موصل پر قبضہ کرنے والے داعش کمانڈر کا تعلق چیچنیا سے ہے۔

سوشل میڈیا پر ہونے والا پر پیگنڈہ نوجوانوں کے لیے داعش کو پرکشش بنا کر پیش کرتا ہے، جبکہ تنگ ذہنیت کے افراد داعش کے پیغام کو عین روایتی اسلام سمجھ کر اس میں داخل ہوتے ہیں، اور اس طرح وہ داعش میں شمولیت کو عین خدمت دین تصور کرتے ہیں، اس کے علاوہ شام میں جاری خانہ جنگی کے نتیجے میں نکلے ہوئے پناہ گزیں اور دیگر ممالک سے بے گھر ہوئے افراد بھی داعش کی صفوں میں شامل ہیں، اپنے لیے کوئی راہ نجات نہ پا کر اس قسم کے لوگ محض غذا اور آسرے کی خاطر داعش سے اپنی وفا کا عہد و پیمان کر بیٹھتے ہیں، اور وہ اسے اپنی سلامتی کی ضمانت سمجھتے ہیں، اس طرح داعش کو مختلف میدانوں میں ماہر افراد بھی مہیا ہیں جو پوری لگن کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں۔

داعش کا بنیادی اصول یہ ہے کہ لوگوں میں خوف و دہشت پیدا کرو، کیونکہ خوف و دہشت ہی پیش قدمی کی راہ ہموار کرتی ہے، اور اس مقصد کے حصول میں اس نے جہاد کے مفہوم کو غلط انداز سے پیش کیا، جنت کا شوق دلا کر خودکش حملوں پر آمادہ کیا اور اسلامی خلافت کے عنوان سے نوجوانوں کو قربانیوں پر آمادہ کیا، چنانچہ اس نے اپنے مقبوضہ علاقوں میں اسلامی حدود و تعزیرات (سزاؤں) کے نفاذ میں تشدد کی راہ اختیار کی، ایسی عدالتیں بھی قائم کیں جو سخت نظام پر عمل پیرا ہیں، یعنی یہاں سزا کے طور پر ہاتھ بھی کاٹے جاتے ہیں، سنگسار بھی کیا جاتا ہے اور دیگر کیپٹل سزائیں بھی نافذ العمل ہیں۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس تنظیم نے مختصر سے عرصہ میں اپنے تمام سرکاری ادارے بھی قائم کر لیے ہیں، اپنا پاسپورٹ بھی جاری کردیا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی کرنسی بھی جاری کردی ہے۔

داعش کا بنیادی موقف یہ ہے کہ اسلام پر یقین نہ رکھنا ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا موت، قطع اعضاء یا غلامی ہے، جبکہ اسلام اس نظریہ کے بالکل مخالف ہے اور وہ دین میں کسی بھی طرح کے جبر کو پسند نہیں کرتا، لیکن داعش اپنے اس نظریہ کو شدت سے نافذ کرتا ہے اور اپنے مخالفین کے سرعام سر قلم کردیتا ہے، زندہ بچنے والے مرد و عورت روپوش ہوجاتے ہیں یا داعش کے غلام بننے پر مجبور ہوجاتے ہیں، داعش نے عراق میں صدیوں سے مسلمانوں کے ساتھ زندگی گذارنے والے یزیدیوں کو بھی ملک بدر کردیا، خواتین پر سخت قسم کی پابندیاں عائد کردیں، اور غلامی کے جس تصور کی اسلام نے جڑیں کاٹ دی تھیں داعش نے اسے دوبارہ زندہ کردیا۔

داعش نے خلافت اسلامی کے قیام کا اعلان کیا اور اس سلسلہ میں مختلف بیانات بھی شائع کیے، انٹرنیٹ پر خوب پروپیگنڈہ بھی کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد داعش کی گرویدہ ہوگئی اور وہ اسے اسلام کا نمائندہ اور ایک جہادی فورس سمجھ بیٹھے، اور سب سے بڑھ کر داعش کے سیاہ پرچم نے جس پر کلمۂ طیبہ لکھا ہوا ہے اور مہر نبوت بھی بنی ہوئی ہے، عام مسلمانوں کے نزدیک زبردست مقبولیت حاصل کرلی اور پھر دعاؤں میں بھی داعش کا تذکرہ ہونے لگا، میڈیا نے بھی داعش کو ایک خالص اسلامی تنظیم کی شکل میں پیش کیا، ٹھیک اسی طرح جیسے امریکہ-عراق کی ابتدائی جنگ میں صدام حسین کو اسلامی ہیرو کی طرح پیش کیا گیا تھا، کہیں سجدہ کرتے ہوئے، کہیں دعائیں مانگتے ہوئے تو کہیں امریکی افواج پر گرجتے ہوئے جبکہ اس کے ظلم و جبر کی داستانیں تاریخ کے سینوں میں محفوظ ہیں۔

خلافت کے اعلان کے بعد داعش نے یہ فرمان بھی جاری کیا کہ اب چونکہ خلافت قائم ہوچکی ہے اس لیے کسی بھی تنظیم یا ملک کو یہ اختیار نہیں کہ اس کے ماتحتی سے انکار کرے، ہر وہ شخص و جماعت مرتد ہے جو ابوبکر البغدادی کی خلافت کا انکار کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی بنیادی کارروائیاں خود مسلمانوں کے خلاف ہی ہیں، جبکہ یہ اسلامی تعلیمات کا کھلا ہوا مذاق ہے کہ مٹھی بھر جماعت تشدد کی راہ اختیار کرے اور اپنی بربریت کو "خلافت اسلامی" سے تعبیر کرکے خود

مسلمانوں کو ہی مختلف عنوان سے موت کے گھاٹ اتارے۔

داعش کے ظاہری خط وخال اور اس کے نعروں سے کسی بھی طرح دھوکہ نہیں کھانا چاہیے، دیگر سیاسی اور انتہا پسند تنظیموں کی طرح یہ بھی ایک سیاسی جماعت ہے جس نے اقتدار کو حاصل کرنے کے لیے تشدد وسفاکی کی راہ اختیار کر رکھی ہے، اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ گزشتہ دنوں میں داعش کی جانب سے اردن کے پائلٹ کو زندہ جلانے اور جاپان کے صحافی کا سر قلم کیے جانے کے ویڈیو انٹرنیٹ پر نشر ہوئے تھے، جس نے دنیا بھر میں سنسنی پھیلا دی تھی، اور عام انسان یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا کہ اسلام کے ماننے والے اتنے بے رحم اور سنگدل بھی ہو سکتے ہیں، اس سے نہ صرف اسلام کی شبیہ داغدار ہوئی بلکہ یورپی ممالک میں مسلمانوں کی مصیبتوں میں اضافہ بھی ہوا۔

یہاں ایک اہم سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ داعش جیسی خونخوار تنظیم کو امریکہ واسرائیل کس نظریے سے دیکھتے ہیں، تو جواب بالکل واضح ہے کہ یہ تنظیم براہ راست امریکی واسرائیلی مفادات کے حق میں کارروائی کر رہی ہے، اور ہر وہ کام کر رہی ہے جو ان کے ایجنڈہ کا حصہ ہے، اسرائیل کو یقین ہے کہ عراق کی تقسیم اور اردن سے معاہدہ اور شام کی تباہی کے بعد ''اسرائیل عظمیٰ'' کے لیے کوئی بڑی رکاوٹ نہیں، شام میں بشار الاسد کی برطرفی سے اسرائیل کے لیے گولان پہاڑیوں پر قبضہ بھی آسان ہوجائے گا جس پر 1973ء میں شام نے قبضہ کرلیا تھا جس کی وجہ سے اسرائیل کی دفاعی پوزیشن کمزور ہوگئی تھی اور اس مقصد کے حصول میں داعش کا اہم کردار ہے۔

اسی لیے امریکہ بھی کسی بھی صورت مشرق وسطی میں مضبوط حکومتوں کا قیام نہیں چاہتا، امریکہ کے جو مقاصد عراق اور افغانستان کے خلاف براہ راست جنگوں کے ذریعہ حاصل نہ ہو سکے تھے وہ داعش کے ذریعہ آسانی سے حاصل ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ وامریکہ سے ہزاروں کی تعداد میں افراد داعش میں شامل ہوئے اور انھیں سرحدوں کو عبور کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

آج مغربی میڈیا کھل کر داعش کی خبریں شائع کرتی ہے لیکن اس طرف سے مکمل سکوت ہے کہ داعش کے کنٹرول میں تیل کے جو ذخائر ہیں وہ کہاں جا رہے ہیں، ایک رپورٹ کے مطابق داعش اپنے قبضہ میں آئے تیل کے کنوؤں سے روزانہ ایک ملین یعنی دس لاکھ بیرل پٹرول نکالتا ہے، اور اسکے ذریعہ ہر ماہ تقریبا 97 ملین ڈالر کی آمدنی ہوتی ہے، اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ ایسی دہشت گرد تنظیم کا تیل عالمی منڈی میں کیسے فروخت ہوتا ہے اور کن ممالک کو برآمد کیا جاتا ہے، ان کی قیمتیں کون ادا کرتا ہے، اور اس کے خزانہ داعش تک کیسے پہنچتے ہیں، جبکہ تیل کی عالمی منڈی پر امریکہ کا کنٹرول ہے اور تیل کی تجارت امریکی ڈالر سے مربوط ہے، اس سلسلہ میں امریکی تحدیات (Sanction) اور ناٹو کا رول کیا ہے؟ روس کے صدر والڈ میر پوتن نے 16 نومبر 2015 کو ترکی میں منعقد G20 کے اجلاس میں صحافیوں سے کہا تھا داعش عالمی منڈی میں تیل کی فروخت کرتا ہے اور اسے تقریبا چالیس ممالک کا تعاون حاصل ہے جس میں G20 کے کئی ممالک بھی شامل ہیں۔

آج داعش کے پاس جدید ٹیکنالوجی کے ہتھیار موجود ہیں، طیاروں کو فضا میں مار گرانے والے میزائل اور دور تک مار کرنے والے راکٹ بھی موجود ہیں، ایسے میں اس سوال کا اٹھنا بھی فطری ہے کہ داعش کو ان اسلحوں کی سپلائی کہاں سے ہو رہی ہے؟ داعش خود ہتھیار تیار نہیں کر سکتی اور مشرق وسطی میں کسی بھی ملک کے پاس اسلحہ سازی کے کارخانہ نہیں ہے اور نہ کوئی ملک اسلحوں کا کاروبار کرتا ہے، یقیناً یہ ہتھیار مغربی ممالک کے تعاون اور ان کے ایجنٹوں کے ذریعہ سے داعش تک پہنچتے ہوں گے لیکن میڈیا اور حکومتیں کبھی بھی اس کا تذکرہ کیوں نہیں کرتیں؟

ایک رپورٹ کے مطابق عراق سے امریکی فوج کے انخلا کے وقت فوج کے پاس تقریباً چالیس لاکھ ہتھیار غیر استعمال شدہ تھے جن کی مالیت کا اندازہ 580 ملین ڈالر بتایا جاتا ہے، انھیں واپس لے جانے کے مصارف سے بچنے کے لیے امریکہ نے یہ ہتھیار عراق میں ہی چھوڑ دیے تھے جو اب داعش کے کام آرہے ہیں۔ اس کے علاوہ جب بشار الاسد کے خلاف لڑنے والی فری سیرین آرمی (Free Syrian Army) نے اپنے لیے اسلحہ کی اپیل کی تھی تب امریکہ اس کو اسلحہ فراہم کرنے والا پہلا ملک تھا، لیکن یہ اسلحہ جات سیدھے داعش کے دامن میں پہنچے جن کے بل پر ہی داعش ایک جہادی گروہ سے ترقی پا کر مشرق وسطی کی ایک خطرناک جنگجو قوت بن

کرابھری ہے۔

مغربی طاقتیں داعش کواپنے مقاصد کے لیے خوب استعمال کر رہی ہیں، رشین ٹی وی کی ایک رپورٹ کے مطابق گذشتہ سال امریکہ نے سعودی عرب کے ساتھ سیکورٹی فراہم کرنے کا سب بڑا معاہدہ کیا تھا، اب اس معاہدہ کی تجدید کے لیے وہ داعش کو خطرہ کے طور پر پیش کر رہا ہے، اور داعش سربراہ کے اس اعلان کو خاصی اہمیت دے رہا ہے کہ داعش مکہ مکرمہ کو سعودی عرب سے آزاد کرانا چاہتا ہے کیونکہ مکہ معظمہ تمام مسلمانوں کا مرکز ہے اس لیے اسے خلیفہ کے تحت ہونا چاہیے۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ فرانس میں ہوئے حالیہ حملے بھی مغربی مفادات کا ایک حصہ ہیں، ان حملوں کے ذریعہ اسرائیل اس فیصلہ کو غلط ثابت کرنا چاہتا ہے جو فرانس کی پارلیمنٹ نے حماس اور فلسطین کو تسلیم کرنے کے سلسلہ میں کیے تھے، فرانس کے بعد دیگر ممالک بھی حماس کو تسلیم کرنے کی راہ پر تھے جسے داعش کی وجہ سے شدید نقصان پہنچا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف ممالک کے مہاجرین کے لیے یورپ کو جو اپنی سرحدیں بھی کھولنی پڑی تھیں انھیں یہ کہہ کر بند کرنے کی پلاننگ چل رہی ہے کہ مہاجرین کی شکل میں داعش کے افراد داخل ہو رہے ہیں جن سے ملک کی سالمیت کو خطرہ ہے۔

ان تمام تفصیلات کے پس منظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ داعش کو مغربی طاقتوں کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے اور اس انتہا پسند تنظیم کا وجود محض اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ ان طاقتوں کے بل پر ہے جو جلد ہی دنیا کے سامنے ظاہر ہو کر رہیں گی۔

اس سے بھی انکار نہیں کہ داعش میں ایک بڑی تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی ہے جو خلافت اسلامی کا قیام چاہتے ہیں لیکن انھیں اندازہ نہیں کہ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلام کو ہی بدنام کر رہے ہیں اور ان کی کارروائیوں سے عالمی سطح پر مسلمان ہراساں ہے، بلاشبہ خلافت اسلامی کا قیام ہی پوری انسانیت کی فلاح کا ضامن ہے لیکن خلافت ظلم اور بربریت کے ذریعہ قائم نہیں ہوسکتی، یہ ہزار سال پرانا دور نہیں کہ جس میں کوئی گروہ تلوار اٹھائے، یلغار مچائے اور اپنی حکومت قائم کرلے، خلافت اگر کبھی بھی قائم ہوگی تو دلوں کو جیتنے سے قائم ہوگی اور اس کا راستہ دعوت وتعلیم کے ذریعہ ہی کھلے گا، گردنیں مارنیں اور دہشت پھیلانے سے ہرگز نہیں!!

بقیہ: اداریہ

............سوشل میڈیا میں رہنے والے اس سے بخوبی واقف ہیں کہ فرانس میں ہونے والے واقعات میں جرم کرنے والوں کی لاشوں کی شناخت کس حیثیت سے ہوئی، کیا وہ سب مسلمان تھے؟ وہ کہاں کے رہنے والے تھے اس کی باقاعدہ تحقیق نہ ہوئی ہے نہ ہوگی، اس لیے کہ اس کے نتائج ان لوگوں کے لیے بہت منفی ہیں جو یہ سب کچھ کرا کے اسلام سے دنیا کو پھیرنا چاہتے ہیں۔

داعش کے نام پر بھی جو لوگ پکڑے گئے ان میں کتنے وہ لوگ ہیں جو یہودی یا کرسچن تھے، ان کا کیا مقصد تھا اور کیوں ان کو اس میں شامل کیا گیا اس کو ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جس کو نگاہ بصیرت ملی ہو!

دنیا کو جہنم کدہ بنانے والے کون ہیں؟ فلسطین میں روزانہ عورتیں اور بچے مارے جائیں، شام میں خون کی ندیاں بہادی جائیں، مصر میں جمہوریت کا خون کیا جائے اور برما میں مظلوموں کے ساتھ سب کچھ روا رکھا جائے، ان کو سمندر میں ڈھکیل دیا جائے، اقوام متحدہ اور دنیا کی سپر پاور طاقتوں میں کس کی زبان کھلتی ہے؟

یہ دوغلی پالیسیاں، سازشیں، شاطرانہ چالیں انسانیت کو دم نہیں لینے دیتیں، اس دہشت گردی کو دنیا سے جب تک ختم نہیں کیا جائے گا، کسی کو سکون کی سانس لینا بھی مشکل نظر آتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے قوموں کو آزادی دی جائے، آزادی کا جھنڈا کسی خاص قوم یا ملک کے پاس ہی نہ رہے، بلکہ جو بھی اپنے طریقہ پر چلنا چاہے، اپنی بات کہنا چاہے اس کو آزادی ہو، البتہ وہ بھی اپنی بات کسی کے سر پر نہ تھوپے، اقوام متحدہ کے منشور میں اس آزادی کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے، لیکن اس کا مطلب شاید کچھ اور ہے۔

ان حالات میں سچے مسلمانوں کی ذمہ داری سب سے بڑھ کر ہے، وہ اپنے اخلاق وکردار سے انسانیت کا سہارا بنیں، اور ہر ملک اور ہر شہر میں بلکہ بستی بستی وہ انسانیت کا ایسا نمونہ پیش کریں جس کی آج دنیا سب سے زیادہ محتاج ہے۔

سیّد احمد شہید اکیڈمی کی اردو مطبوعات

☆ حدیث نبوی ﷺ — 160/-
☆ قرآنی افادات (اول) — 250/-
☆ قرآنی افادات (دوم) — 260/-
☆ سیرت رسول اکرم ﷺ — 200/-
☆ اسلام کے تین بنیادی عقائد — 80/-
☆ مطالعہ حدیث کے اصول ومبادی — 30/-
☆ مالیات کا اسلامی نظام — 30/-
☆ تذکرہ مولانا حکیم ڈاکٹر سیّد عبدالعلی — 80/-
☆ علماء کا مقام اوران کی ذمہ داریاں — 110/-
☆ مدارس اسلامیہ — 130/-
☆ نظام تعلیم — 60/-
☆ اسلام اور علم — 80/-
☆ طالبان علوم نبوت (اول) — 140/-
☆ طالبان علوم نبوت (دوم) — 100/-
☆ تعمیر انسانیت — 130/-
☆ حیات عبدالحیؒ — 200/-
☆ متاع دین ودانش — 210/-
☆ انسانیت کی مسیحائی — 220/-

از: حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

☆ خانوادۂ علم اللٰہی — 150/-
☆ صادقین صادق پور — 55/-
☆ مشہد بالاکوٹ — 20/-
☆ سوانح محمد الحسنیؒ — 250/-

از: مولانا محمد ثانی حسنیؒ

☆ قرآن آپ سے مخاطب ہے — 40/-
☆ تذکرۂ حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ — 100/-
☆ جادۂ فکر وعمل — 60/-
☆ انسانیت آج بھی اسی در کی محتاج ہے — 30/-

از: مولانا محمد الحسنیؒ

☆ امت مسلمہ (رہبر اور مثالی امت) — 110/-

از: مولانا محمد رابع حسنی ندوی

☆ تذکرہ مولانا کرامت علی جونپوریؒ — 35/-

از: مولانا مجیب اللہ ندویؒ

☆ نیک صحبت کی ضرورت — 30/-
☆ اخلاص اوراس کے ثمرات — 30/-
☆ مثالی اخلاق — 30/-
☆ حقیقت توحید — 50/-
☆ خطبات داعی اسلامؒ (۵/جلدیں) — 450/-
☆ تذکرہ مفکر اسلامؒ — 60/-
☆ حقیقی محبت — 40/-
☆ محبت صحابہؓ — 40/-
☆ محبت اہل بیتؓ — 30/-
☆ کاروان انسانیت — 60/-

از: مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

☆ آسان معانیٔ قرآن — 450/-
☆ اسوۂ رحمت — 40/-
☆ حدیث کی روشنی — 40/-
☆ سوانح مفکر اسلامؒ — 300/-
☆ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی دعوت وفکر کے اہم پہلو — 200/-
☆ اصلاح معاشرہ — 80/-
☆ اسلامی عقائد-قرآن وسنت کی روشنی میں — 70/-
☆ صحاح ستہ اوران کے مصنفین — 80/-

از: بلال عبدالحی حسنی ندوی

☆ تجہیز وتکفین کتاب وسنت کی روشنی میں — 50/-
☆ مسلکی اختلافات اور راہ اعتدال — 150/-

از: مفتی راشد حسین ندوی

☆ امام شافعیؒ-مجدد قرن ثانی — 200/-

از: عبدالسبحان ناخدا ندوی

☆ تذکرہ حضرت مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلویؒ — 140/-
☆ سیرت داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ — 380/-
☆ تاریخ اصلاح وتربیت — 400/-

از: محمود حسن حسنی ندوی

ملنے کا پتہ: دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یو.پی.) موبائل:9919331295

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume: 07 DECEMBER 2015 Issue: 12

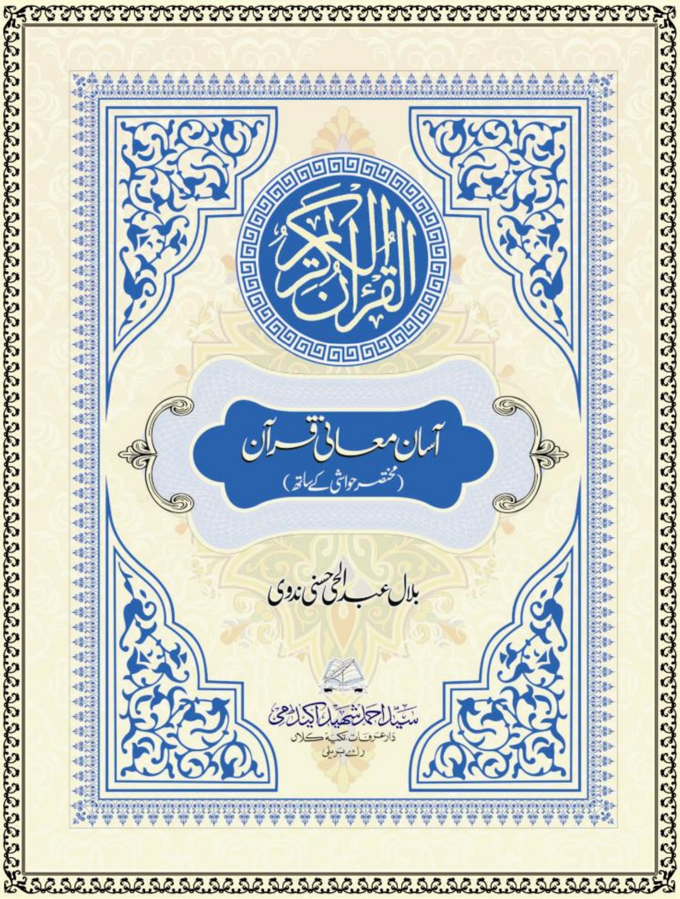

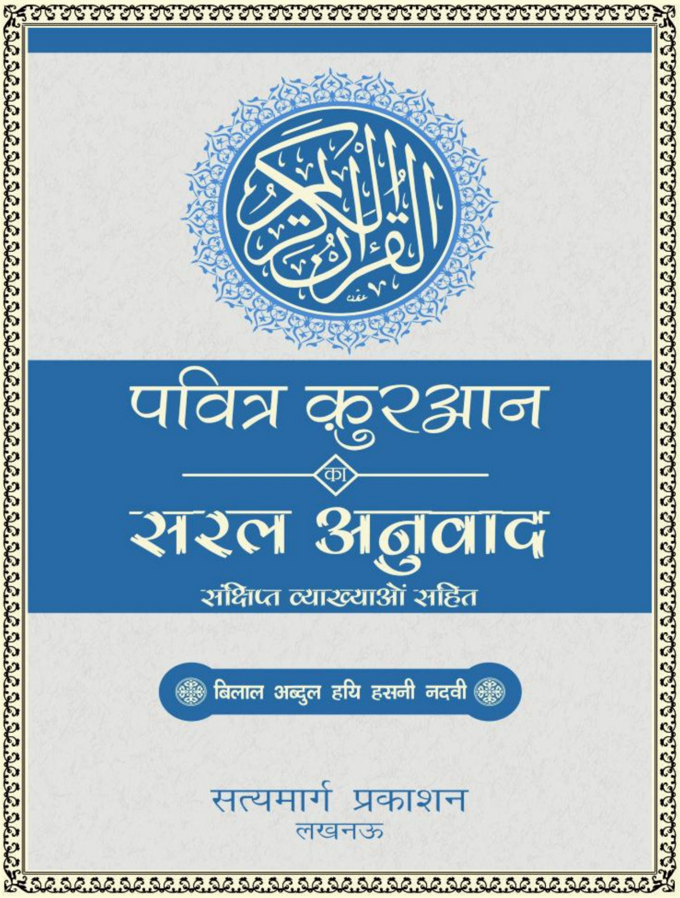

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)